صوفی بانکوٹی

بادۂ صافی

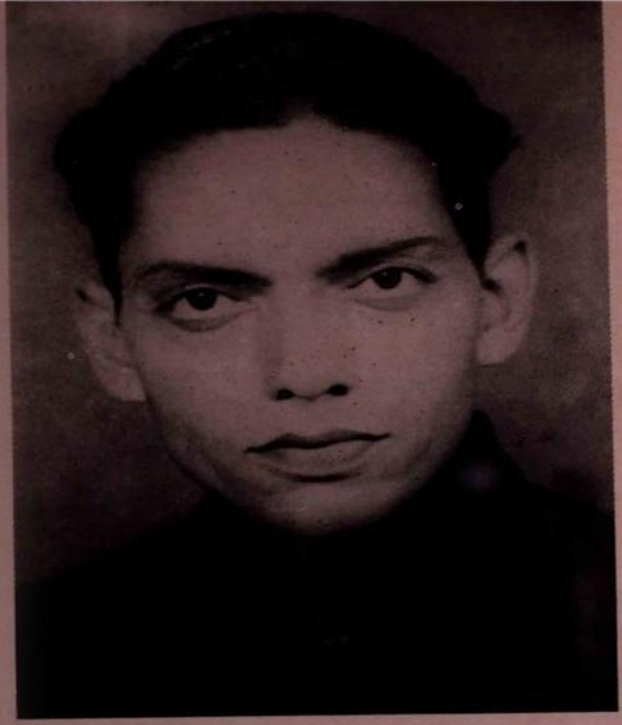

صُوفی بانکوٹی مرحُوم

پیدائش ———— ۲۷ مئی ۱۹۱۹ء

وفات ———— ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۶ء

(تصویر: ۱۹۵۵ء)

حضرتِ صوفی بانکوٹی (مرحوم) اُردو کے معروف شاعر جنابِ بدیع الزّماں خاور کے والدِ بزرگوار تھے۔ آپ کا تعلق خطۂ کوکن کے معزز "پرکار" گھرانے سے ہے۔ ان کے والد اپنے علاقے کے طبیبِ حاذق تھے اور دادا ریاست جنجیرہ کے مُنصفِ اعلیٰ، یعنی گھر کا ماحول ایسا نہ تھا کہ شاعری کے لیے سازگار کہا جا سکے۔ یہ حضرتِ صوفی کی اپنی رغبت اور خداداد صلاحیتوں کا ثمر تھا جس نے انھیں اُردو غزل کی طرف رجوع کیا۔ غزل کی کلاسیکی روایات کے احترام کے ساتھ ساتھ ان کے بیان میں ایک نُدرت اور نکھار ہے جو تازگی کا احساس دلاتا ہے۔ ان کے کلام کی پختگی اور روانی کو دیکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ایک ایسے شاعر کا کلام ہے جس کا ماحول شاعری کے لیے ناسازگار رہا ہے۔ جناب بدیع الزّماں خاور نے ان کے کلام کے بکھرے ہوئے اوراق کو یکجا کر کے ایک مستحسن قدم اُٹھایا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ادبی حلقوں میں اس مجموعے کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

(پبلشر)

انتساب

حضرت سید خاکسار علی شاہ قادری خاکی کلیانوی کے نام
میرے والد جن کے مرید تھے

حضرت سید حسام الدین قادری حسامی مدظلہٗ کے نام
میرے والد جن کے معتقد تھے۔

سحاب سخن مولانا ابرار احسنی گنوری (مرحوم) کے نام
جن سے میرے والد کو شرف تلمذ حاصل تھا۔
اور
جناب محمد باوا صاحب خلفے (مرحوم) کے نام
میرے والد جن کی رفاقت و محبت کے زندگی بھر مداح رہے۔

——— بدیع الزماں خاور

○

وہ ضبطِ اُلفت جو آ کے دیکھیں اُنھیں ادا اور ہی ملے گی
ہزار ہوں داغ دل میں پنہاں مگر لبوں پر ہنسی ملے گی

گھرے ہوئے ہیں جو سُرخ بادل، نویدِ فصلِ بہار ہیں یہ!
خزاں کا اب دور ختم ہوگا، کھِلی ہوئی ہر کلی ملے گی

گزر چکا دورِ آزمائش عبث ہے بالیں پہ یہ ندامت
چراغ جو بجھ چکا ہے اُس میں کہاں سے اب روشنی ملے گی

رہے سلامت یہ داغِ اُلفت نہاں ہے اس میں بڑی کرامت
خزاں رسیدہ چمن کو دل کے، اسی سے پھر تازگی ملے گی

خزاں کی تخریب سے نہ گھبرا کہ اس میں تعمیر بھی نہاں ہے
قریب ہیں دن کہ جب چمن میں بہار چھائی ہوئی ملے گی

اُمید کا لے کے مَیں سہارا گزار دوں گا حیات اپنی
کبھی تو حاصل سکون ہوگا، کبھی تو دل کو خوشی ملے گی

مجھے ہے صوفی ضرور ہونا فلک کے تاروں میں ایک تارا
کلیمؔ کو یہ خبر کہاں تھی کہ اُن کو پیغمبری ملے گی

○

دیکھ لینا دوست کو، رسمِ جہاں سمجھا تھا میں
"برق گر جائے گی دل پر، یہ کہاں سمجھا تھا میں"

تھا یقیں پرواز میری عرش تک ہو گی، مگر
کٹ کے رہ جائیں گے پر اتنا کہاں سمجھا تھا میں

ساتھ کیوں چھوڑا ستارو سچ کہو وقتِ سحر
حال پر اپنے تمھیں تو مہرباں سمجھا تھا میں

بیخودی میں خود کو سجدے مدتوں کرتا رہا
اپنے سنگِ در کو اُن کا آستاں سمجھا تھا میں

یہ خبر کب تھی کہ ہو سکتے ہیں وہ بھی مضطرب
اپنے دل کو مرکزِ دردِ جہاں سمجھا تھا میں

درد کی سوزش میں اُن سے ہی کمی آخر ہوئی
آنکھ کے جن آنسوؤں کو رائیگاں سمجھا تھا میں

کس لیے صوفیؔ کروں اب اپنے لٹنے کا ملال
ایک رہزن کو امیرِ کارواں سمجھا تھا میں

ے مصرع طرح

○

محبّت کا آکر یہ سامان دیکھو
شکستہ ہمارا گریبان دیکھو

کہاں ڈھونڈتے ہو شہیدِ نظر کو
پڑا ہے وہ مقتل میں بے جان دیکھو

سہارے پہ رحمت کے اِترا رہا ہے
گنہگار کی حشر میں شان دیکھو

تمھاری جفا کاریاں توبہ توبہ!
چلے اُٹھ کے محفل سے مہمان دیکھو

بہت دور ساحل، ہوائیں مخالف
ڈبو دے نہ کشتی کو طوفان دیکھو

سمجھتے تھے تم مطمئن جس کو صوفی
وہ ہے آج کتنا پریشان دیکھو

○

پردے سے نکل اے پردہ نشیں چھپ چھپ کے ستانا کیا معنی
موسیٰؑ جو نہیں تو پھر مجھ کو جلوہ نہ دکھانا کیا معنی

یہ راہ ہے اُن کے ملنے کی، یہ میری زیست کا حاصل ہے
احباب مجھے مر جانے دیں، اشکوں کا بہانا کیا معنی

موجوں سے کہو، وہ طوفاں میں کشتی کو مری دیں راہ ذرا
نزدیک ہے ساحل، ایسے میں بڑھ بڑھ کے ڈرانا کیا معنی

زخموں پہ کیوں ہے گرم نظر، اس زحمت کا حاصل کیا ہے؟
جلتا ہے جو اپنی آگ میں خود، اُس دل کو جلانا کیا معنی

اے دیدۂ تر آنسو نہ بہا، ہوتا ہے ضبط اس سے رسوا
جو درد ہے پنہاں سینے میں وہ سب کو دکھانا کیا معنی

مانا کہ ستم کی عادت ہے لیکن یہ طریقہ ٹھیک نہیں
یہ قبر ہے تیرے صوفی کی، ٹھوکر کا لگانا کیا معنی

○

آدابِ محبت کے زمانے کو سکھا دو
بچھڑے ہوئے انسانوں کو آپس میں ملا دو

آجائیں گے ہر سمت نظر یار کے جلوے
آنکھوں سے ذرا پردۂ غفلت تو ہٹا دو

بن جائیں گے گردوں کے ستارے وہ یقیناً
دو اشک اگر اُن کی جُدائی میں بہا دو

پھر جائے گا آنکھوں میں ابھی طور کا منظر
زلفوں کو ذرا رُخِ منوّر سے ہٹا دو

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

ہر قوم کے افراد کریں جس میں عبادت
ممکن ہو تو اک ایسا حرم کوئی بنا دو

ڈوبے کہ لگے جا کے کنارے نہیں پروا
اُٹھتی ہوئی موجوں سے سفینے کو لڑا دو

یہ سر کا جھکانا تو کوئی کام نہ آیا
اب سجدۂ جاناں کے لیے دل بھی جھکا دو

رہ جائے ابھی ہو کے شکستہ مری توبہ
ہاتھوں سے تم اپنے اگر اک جام پلا دو

داور کی حضوری میں چلے آتے ہیں صوفی
اے حور و ملک خلد کو تم جا کے سجا دو

○

قوتِ نالہ جو زنداں میں نمایاں کر دوں
تو سمجھ لو، در و دیوار کو لرزاں کر دوں

دیکھنے آئے ہیں وہ جوشِ جنوں کا منظر
اب ضروری ہے کہ میں چاک گریباں کر دوں

یہ خموشی تو جہاں کی نہیں اچھی لگتی
جی میں آتا ہے کہ برپا کوئی طوفاں کر دوں

عشق نے روح میں پھونکے ہیں مری نغمے
میں جو چاہوں تو فضاؤں کو غزلخواں کر دوں

پھول برسائیں جہاں اہلِ چمن پر آتش
یہی بہتر ہے کہ اُس باغ کو ویراں کر دوں

گرمیِ حُسن ابھی سرد نظر آئے گی
داغ ہائے دلِ سوزاں جو نمایاں کر دوں

سوچتا ہوں میں بہت دن سے یہی اے صوفی
زندگی ہی کا مرتب کوئی دیواں کر دوں

○

ہجومِ آلام و غم تھا دل میں، جگر میں داغوں کا تھا خزانہ
تمھاری چشمِ کرم جو اُٹھی، حقیقتیں بن گئیں فسانہ

جو دل میں عزمِ بلند لے کر ہر ایک طوفاں سے کھیلتا ہے
سرورِ ساحل اُسی کا حق ہے، اُسی کی ہے ملکیتِ زمانہ

وطن کی تخریب میں نہاں ہے وطن کی تعمیرِ نو کا ساماں
خزاں رسیدہ چمن میں میرے بہار کا آئے گا زمانہ

عزیز تر ہے مجھے ترا غم، بھلاؤں اس کو نہیں یہ ممکن
اسی میں ہے لطفِ زندگی کا، سکون کا ہے یہی خزانہ

قدم بڑھانا ہے کام تیرا، قدم بڑھاتا چل اے مسافر
نہ راہ کی سختیوں سے گھبرا، مدد وہ کرتے ہیں غائبانہ

ہر ایک در پر کرے جو سجدے وہ میری صوفی جبیں نہیں ہے
جھکے گی میری جبیں وہیں پر، جہاں پہ ہو اُن کا آستانہ

○

بات یہ کیا ہے، سمجھ میں بات کچھ آئی نہیں
اُن کو جب پایا تو پھر اپنی خبر پائی نہیں

ہر طرف سے اُن کے جلوے ہیں مجھے گھیرے ہوئے
جس کو تنہائی سمجھتا ہوں وہ تنہائی نہیں

کیا وہ سمجھے منزلِ ہستی کی ناہمواریاں
جس نے ٹھوکر راہِ الفت میں کبھی کھائی نہیں

کیا بتائیں کیا ہوا کرتی ہے شامِ انتظار
کروٹیں بدلیں سحر تک اور نیند آئی نہیں

ہو رہا ہے چار سُو دنیا میں برپا انقلاب
اور پھر کیا ہے اگر یہ تیری انگڑائی نہیں

صبح کی تابانیاں دیکھوں، بہت دشوار ہے
زندگی کی شام ہے یہ، شامِ تنہائی نہیں

جائیے بالیں سے، اب یہ پرسشیں بیکار ہیں
سو چکا وہ نیند جس کو عمر بھر آئی نہیں

جُرعۂ اوّلیں

بادۂ صافی صوفی ہانکوٹی کی غزلیات کا مجموعہ ہے، جو مشہور شاعر بدیع الزماں خاور کے پدرِ بزرگوار تھے۔ صوفی محفلِ سخن سے دارِ بقا کی راہ لے چکے ہیں۔ اس قیاس کو بے جا نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اُن ہی کی آغوشِ تربیت کا فیض تھا جس نے بدیع الزماں کو خاور بنایا۔ صوفی ایک مرنجان مرنج اور نیک دل بزرگ تھے جس کا پرتو اُن کی شاعری میں بھی جھلکتا ہے نیز ان کی شاعرانہ اور شخصی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ہم آہنگی کی توثیق کرتا ہے۔

غزل کا ایک اہم وصف زبان کی سلاست و شستگی اور لہجے کی نرمی و حلاوت بھی ہے جس سے صوفی کی غزلیات متصف ہیں۔ ان کی غزلوں کا معاملہ دل سے اس انداز کا ہے جیسے پھولوں پر شبنم کی لطیف و خنک پھوار کی تراوش۔ سادگی میں پُرکاری کے عناصر جذب ہوں تو یہ بجائے خود بڑی بات ہے۔ کیونکہ بعض اوقات سادگی میں جو دل آویزی و جاذبیت ہوتی ہے اس سے رنگینی و نیرنگی کا دامن بھی محروم رہتا ہے۔ صوفی کی غزلوں کا مطالعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ انھوں نے اپنی طبیعت کے سوز و ساز کو شاعری کا پیکر دینے کی کوشش کی ہے۔ اور اپنی سخنوری کی اساس اُن جذبات و احساسات پر استوار کی ہے جو موقع بہ موقع موجِ تہ نشیں کی صورت اُبھرتے نیز دل و دماغ سے متصادم ہوتے ہیں:

ہے مرے پائے جنوں پر وسعتِ صحرا ابھی تنگ
وا کسی دن میری خاطر بابِ زنداں کیجیے

○

اہلِ وفا سے پوچھیے رازِ وفا ہے کیا؟
سب سے وفا کا حال بتایا نہ جائے گا

○

ہو رہا ہے مجھے احساس یہ ہر دھڑکن پر
وادیٔ دل میں ہے پھر آج خراماں کوئی

○

جس طرف نظریں اُٹھائیں آپ ہیں جلوہ فگن
یہ تو کوئی آپ کا اندازِ یکتائی نہیں

جو گزرتی ہے مرے دل پر وہ کرتا ہوں بیاں
شعر صوفی میرے بے موسم کی شہنائی نہیں

○

یہ ضرورت ہے بہارِ بے خزاں پیدا کریں
ہند والے اب نیا ہندوستاں پیدا کریں

ہم صفیر وقت ہی جب یہ نہیں فریاد کا
کس لیے کوئی نئی طرزِ فغاں پیدا کریں

وقت کی آواز سُن لیں اور اربابِ چمن
بجلیوں کی زد میں اپنا آشیاں پیدا کریں

جل کے رہ جائے گا اک دن خرمنِ باطل ضرور
اپنی آہوں میں اگر ہم گرمیاں پیدا کریں

اس نظامِ بزمِ عالم کو بدلنے کے لیے
حوصلے سے کام لیں، عزمِ جواں پیدا کریں

زاہدانِ خشک سے کہہ دو یہ صوفی آج ہی
ذوقِ سجدہ ہے تو سنگِ آستاں پیدا کریں

○

جو پھول کل تھے گلستاں میں مسکرائے ہوئے
پڑے ہیں خاک پہ وہ آج مات کھائے ہوئے

نگاہِ بزم پہ بجلی نہ گر کے رہ جائے!
کہ آ رہے ہیں وہ رُخ سے نقاب اُٹھائے ہوئے

نہیں ہے حرفِ شکایت زبان پر کوئی
ہزار زخم ہیں گو دل میں ہم چھپائے ہوئے

نہ چل سکے گی گلے پر چھری زمانے کی
کہ ہم ہیں خنجرِ قاتل کے ناز اُٹھائے ہوئے

جمالِ یار کی تابانیاں خدا کی پناہ
چلا ہے نیّرِ اعظم بھی سر جھکائے ہوئے

پسند آئیں نہ نغمے ہمارے کیوں صُوفی
کہ ہم ہیں سازِ محبت پہ گیت گائے ہوئے

○

زندگی میری وفا کا راز ہے
صبحِ غم، شامِ الم دمساز ہے

میری کشتی ڈوب سکتی ہی نہیں
ناخدا! مجھ کو خدا پر ناز ہے

اس کو مضرابِ کرم سے چھیڑ دو
بے ترنم زندگی کا ساز ہے

ہو مبارک تم کو یہ فرزانگی
مجھ کو تو دیوانگی پر ناز ہے

کیوں نہ ہو آرائشِ خلدِ بریں
روحِ صوفی مائلِ پرواز ہے

○

مری بگڑی ہوئی قسمت بنا دیتے تو کیا ہوتا
تم اپنے آستانے کا پتا دیتے تو کیا ہوتا

مٹا کر مجھ کو چھوڑا کس لیے یہ داغ دُنیا میں
نشاں بھی قبر کا میری مٹا دیتے تو کیا ہوتا

چلو اچھا ہوا نالے مچل کر رہ گئے دل میں
زمانے میں جو یہ طوفاں اُٹھا دیتے تو کیا ہوتا

خیالِ برق و صرصر سے چمن کو چھوڑنے والے
نشیمن بجلیوں ہی میں بنا دیتے تو کیا ہوتا

نگاہیں دید کی مشتاق ہیں کب سے زمانے کی
حریمِ ناز کے پردے اُٹھا دیتے تو کیا ہوتا

سُنا اُن کا فسانہ تم نے لیکن، تم ذرا صوفی
انھیں اپنی کہانی بھی سُنا دیتے تو کیا ہوتا

○

نہ پوچھے کوئی ہم سے یہ جبیں ہم نے کہاں رکھ دی
"ہماری چیز تھی ہم نے جہاں چاہی وہاں رکھ دی"[۱]

جلایا آشیاں صیاد نے پھر یہ ستم ڈھایا
قلم کر کے، جدا گلشن سے شاخِ آشیاں رکھ دی

حرم میں تم ہو، بت خانے میں تم، آتش کدے میں تم
تو پھر سجدے کو اپنے کیوں یہ قیدِ آستاں رکھ دی

مرے سجدوں کی عظمت کیا ہے، کیا جانیں جہاں والے
وہیں کعبہ بنا، اپنی جبیں میں نے جہاں رکھ دی

ادھر کعبہ، اُدھر کاشی، یہاں جلوہ، وہاں جلوہ
مکاں تیرا نہ تھا تو کیوں یہ بنیادِ مکاں رکھ دی

تماشائی بنا عالم، تماشا خود ہوا صوفیؔ
محبت کی کسی نے کھول کر جب داستاں رکھ دی

[۱] مصرعۂ طرح

○

وفا کا امتحاں ہے اور مَیں ہوں
مرا عزمِ جواں ہے اور مَیں ہوں

نہ گلشن ہے، نہ شاخِ آشیاں ہے
فضاؤں میں دھواں ہے اور مَیں ہوں

نہ پوچھو میری مایوسی کا عالم
خیالِ رفتگاں ہے اور مَیں ہوں

چلا ہوں پھر سکوں کی جستجو میں
زمیں خود آسماں ہے اور میں ہوں

سُنا ہے چھائی ہیں ہر سُو بہاریں
مگر دورِ خزاں ہے اور مَیں ہوں

کسی کو اس پہ کیوں ہو رشک صُوفیؔ؟
مری طرزِ بیاں ہے اور مَیں ہوں!

○

اے دوست کمالِ وحشت میں تسکین کے ساماں ہوتے ہیں
ہوتا ہے جنوں ناقص جن کا وہ چاک گریباں ہوتے ہیں

حیرت ہے کہ سننے والے کیوں نالوں سے پریشاں ہوتے ہیں
فریاد و فغاں کے پردے میں ہم لوگ غزل خواں ہوتے ہیں

ٹھوکر سے ہٹائے جاتے ہیں رستے میں جو آ جائیں پتھر
رکھتے ہیں انھیں پر سر جب یہ سنگِ درِ جاناں ہوتے ہیں

ہم دیکھ کر ان کو حیراں ہیں یہ بات تو ظاہر ہے لیکن
وہ آئنہ خانے میں آ کر کن جلوؤں سے حیراں ہوتے ہیں

اچھا ہے کہ دل اُمیدوں کے ہنگامے سے محفوظ رہے
جب شہرِ تمنا بستے ہیں کچھ اور بھی ویراں ہوتے ہیں

اس بات سے گھبرانا کیسا؟ جلتے ہیں نشیمن جلنے دو
بجلی سے نہیں وہ ڈرتے جو شیدائے بہاراں ہوتے ہیں

رکھتی ہے کسی کے سینے میں جس وقت شقاوت دل صوفی
یہ روئے زمیں تو چیز ہے کیا، افلاک بھی لرزاں ہوتے ہیں

○

اندھیرے میں ستاروں کی درخشانی نہیں جاتی
شبِ غم دل کے داغوں کی فراوانی نہیں جاتی
ہر آفت امتحاں ہے اہلِ حق کے واسطے لیکن
مصیبت میں بھی اُن کی خوئے ایمانی نہیں جاتی
مقدر کو بدل دیتی ہیں تدبیریں ہی انساں کی
پریشانی میں رونے سے پریشانی نہیں جاتی
کھلا کرتی تو ہیں اب بھی تمناؤں کی کچھ کلیاں
مگر اُجڑا ہے دل ایسا کہ ویرانی نہیں جاتی
تمھارا نام جب سنتا ہے آنکھیں کھول دیتا ہے
مریضِ غم کی ورنہ شکل پہچانی نہیں جاتی
سکوں کی جستجو انسان کی فطرت سہی لیکن
اسے کیا کیجیے دل کی پریشانی نہیں جاتی
ہو کیا اُمید اُس بیمارِ غم کو اپنے بچنے کی
مسیحا سے بھی جس کی نبض پہچانی نہیں جاتی

کیے بیٹھے ہیں اک مدت سے ہم ترکِ سخن صوفی
مگر اپنی طبیعت کی غزل خوانی نہیں جاتی

بُتوں کا قہر، نہ بے مہریِ خدا کہیے
خود اپنے جُرم کا آلام کو صلہ کہیے

ہمارے دل پہ نہیں کم ستم زمانے کے
ہیں پھر بھی شاد ہماری اسے وفا کہیے

جہاں میں خون کے پیاسوں کا نام کیا ہوگا
جو بادہ خوار ہیں اُن کو اگر بُرا کہیے

سُنائی دیتی نہیں وقت کی کراہوں میں
وہ اک صدا جسے پیغامِ جاں فزا کہیے

سُناتے اپنی کہانی بھی ہم مگر صُوفی
نہیں وہ لوگ جنھیں درد آشنا کہیے

بڑھتے جاتے ہیں مستانہ روی سے سارے دیوانے
یہ میدانِ قیامت کو تری محفل سمجھتے ہیں

○

سُنائی دیتی نہیں وقت کی کراہوں میں
وہ اک صدا جسے پیغامِ جاں فزا کہیئے

○

محسوس ہو رہا ہے تیری غزل سے صوفی
لکھا ہے اشکِ خوں سے افسانہ زندگی کا

○

تمنا موت کی اب اس لیے ہے
ترے ملنے کا ہو جائے بہانہ

○

تھی میری نظر محفل کی طرف
وہ دیکھ رہے تھے دل کی طرف
مقتل میں نگاہیں اُٹھ نہ سکیں
دیکھا نہ گیا قاتل کی طرف

○

ہٹوں گا میں نہ ہرگز زندگی بھر کوئے قاتل سے
مجھے سمجھانے والو زندگی سے کھیل لینے دو

○

نہ چل سکے گی گلے پر چھری زمانے کی
کہ ہم ہیں خنجرِ قاتل کے ناز اُٹھائے ہوئے

○

سوچتا ہوں میں بہت دن سے یہی اے صوفی
زندگی ہی کا مرتب کوئی دیواں کردوں

○

یہ اشعار بتاتے ہیں کہ صوفی پیچ و خمِ حیات سے مردانہ وار گزرے ہیں۔ اور انھوں نے اُن ساعتوں کو جن کی کج ادائی سے مفر ممکن نہیں سینۂ حیات میں اُترنے کا موقع دیا ہے۔ صوفی نے غزل و تغزل کی روایات سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے اور سرزمینِ بانکوٹ کو وہ نغمے دیے ہیں جن کی مہک مہک میں خاصی دل پذیری ہے۔

مبارک باد کے مستحق ہیں بدیع الزماں خاور جنھوں نے صوفی کی غزلوں کو بادۂ صافی بنا کر جرعہ کشانِ سخن تک پہنچایا۔

رام باغ، مرزاپور (یوپی) ——— حُرمتُ الاکرام

۱۵؍جولائی ۱۹۷۸ء

○

مَیں جب وفا کے ساز پہ نغمہ سرا ہُوا
یہ سنگ دل زمانہ مرا ہم نوا ہُوا

کیوں ہے یہ چارہ سازوں کا میلہ لگا ہُوا
اے دردِ عاشقی تری غیرت کو کیا ہُوا

وہ خود نہ آئے موت کو بھیجا ہے میرے پاس
ہوں مطمئن کہ ایک تو وعدہ وفا ہُوا

نا آشنا سے پھیر کے مُنہ وہ گزر گئے!
بھولے سے بھی جو اُن سے کبھی سامنا ہُوا

وہ دردِ جان و دل سے نہ بڑھ کر ہو کیوں عزیز
جو اُن کے لطفِ خاص سے مجھ کو عطا ہُوا

کل انجمن میں شیخ و برہمن بھی تھے، مگر
قصہ چھڑا بتوں کا نہ ذکرِ خدا ہُوا

اُس شہرِ جستجو میں رہے بانکپن سے ہم
ہر شخص آ گیا تھا جہاں سے لٹا ہُوا

رقصِ جنوں وہ ہم نے کیا ہے کہ دشت میں
ہر آبلہ ہے شمع کی صورت جلا ہُوا

سیرِ چمن کو نکلے تو ہم کو بہار میں
شاخوں پہ خونِ گُل نظر آیا سجا ہُوا

راس آئی عمر بھر نہ زمینِ حرم جسے
سجدہ وہ پائے یار پہ صوفی ادا ہُوا

اشعار

○

مَیں نے کس سے نظر ملائی ہے
ہر بلا میرے سر پہ چھائی ہے
بارہا اُن سے چار کیں آنکھیں
بارہا دل پہ چوٹ کھائی ہے

○

ہے عبادت کی بھلا فرصت کہاں
اک حسیں صورت ہمارے دل میں ہے
سوچتا ہے حال کو صوفی فضول
عافیت کچھ فکرِ مستقبل میں ہے

○

بڑے بڑوں کی یہاں پست ہو گئی ہمت
رہ وفا میں ہماری بساط ہی کیا ہے
شروعِ عشق میں یہ درد یہ الم صوفی
خدا ہی جانے کہ انجامِ عاشقی کیا ہے

○

تمھارے حُسنِ یکتا کی زمانے بھر میں شہرت ہے
کہیں یہ وجہ وحشت ہے کہیں یہ وجہ راحت ہے
یہ کیسا انقلاب اللہ آیا ہے زمانے میں
ہوئے جن کے لیے برباد ان کو ہم سے نفرت ہے

○

کیا کروں قصرِ فلک بوس بنا کر ہمدم
جو نہ برباد ہو ایسی کوئی تعمیر نہیں
پھول ہوں چاند ہو تارے ہوں غرض کچھ بھی ہو
تیری تصویر سے بڑھ کر کوئی تصویر نہیں

○

شبِ فرقت میں اُن کے ہی تصور سے اُجالے ہیں
اندھیری رات میں ہم نے یہی اک چاندنی دیکھی

○

ہر اک گھر میں موجود ہیں تیرے جلوے
صدا آ رہی ہے یہ دیر و حرم سے
غریبوں کی حالت سے ان کو غرض کیا
پڑا ہو نہ پالا جنھیں رنج و غم سے

○

سر و پا کا نہیں ہے ہوش باقی اہلِ محفل کو
شرابِ چشمِ ساقی ہے کہ جامِ ارغوانی ہے
عداوت بھی محبت بھی نمایاں ہے تبسم سے
دہن سے پھول جھڑتے ہیں کہ یہ آتش فشانی ہے
عجب کیا ہے اگر اس میں ستم گر غرق ہو جائے
شہیدوں کے لہو میں موجِ دریا کی روانی ہے
خدا ذوقِ سخن تیرا بڑھائے اور دُنیا میں
بدیعؔ خوش بیاں خوش رہ کہ تو میری نشانی ہے

لہ صوفی مرحوم کے اکلوتے بیٹے محمد بدیع الزماں، اب بدیع الزماں خاور۔

آگیا ہے بزمِ عالم میں یہ کیسا انقلاب
ہر کوئی جاہل سمجھتا ہے نہیں میرا جواب
بے حقیقت ہے نگاہوں میں ہماری انقلاب
مدتوں دیکھا ہے ہم نے چشمِ جاناں کا عتاب

○

جنابِ آبرؔ کا صوفیؔ یہ فیض ہے جس نے
سکھا دیے ہیں سب آدابِ شعر و فن مجھ کو
یہ مجھ پہ خاص کرم بزمِ مصحفی کا ہے
کہ لوگ کہتے ہیں اب "طوطیِ چمن" مجھ کو

○

وطن ہم سے قربانیاں چاہتا ہے
وطن کے لیے سر کٹانے کے دن ہیں
محبت سلامت، جفائیں سلامت
ستالو مجھے تم، ستانے کے دن ہیں
عداوت کو اُلفت میں رکھ دو بدل کر
ترانے محبت کے گانے کے دن ہیں

○

قہر کے ساتھ مہر بھی آپ کریں تو بات ہے
جَور ہی جَور تو کبھی قابلِ آفریں نہیں
دیکھ لیا ہے سب جہاں، جانچ لیا ہے سب جہاں
ہم کو سکون مل سکے ایسی کوئی زمیں نہیں

۱؎ بمبئی کی ایک ادبی انجمن جس نے ۱۹۴۹ء میں صوفی مرحوم کو "طوطیِ چمن" کا خطاب دیا تھا۔

آہ مرنا بھی تو دشوار کیے دیتا ہے
سر بالیں مرے قاتل کا پشیماں ہونا
تیری الفت کے تصدق تیری الفت کے نثار
میری تقدیر میں لکھا تھا سخن داں ہونا
وصل ہے جس کی دوا میں وہ مریضِ غم ہوں
تو جو چاہے تو ہے ممکن مرا درماں ہونا
یہ شرف جس کو جنونِ غمِ اُلفت بخشے
سب کی قسمت میں نہیں چاک گریباں ہونا

○

کیا سُنائیں اُن کو یہ بھولا ہوا افسانہ ہم
کیوں اُٹھے تھے ایک دن محفل سے بیتابانہ ہم
دل کی پروا ہے نہ سر کا کوئی غم صوفی ہمیں
دے چکے ہیں بارگاہِ حُسن میں نذرانہ ہم

○

تسکین دینے آئے تھے بیمارِ ہجر کو
اک ٹھیس اور دل پہ لگا کر چلے گئے

○

کرنی ہے اسی حال میں اُمیدِ وفا اور
اے بانیِ بیداد ذرا مشقِ جفا اور

○

فسانہ ہو تیرا کہ میری کہانی
نہیں دوست ان میں کوئی جاودانی

محبت کرو جو بقا چاہتے ہو
محبت زمانے میں ہے غیر فانی
ارے جانے والے ذرا دیکھ کر چل
قیامت اُٹھاتی ہے تیری جوانی
نہ ہوگا زمانے میں جس وقت صوفی
بہت یاد آئے گی یہ شعر خوانی

○

بہت کوشش کی دل نے رازہائے غم چھپانے کی
مگر کہہ دی نگاہِ یاس نے سب داستاں میری
بہت شیریں بڑی دلکش فدائی اس کا اک عالم
مجھے تو ناز ہے اس پر کہ ہے اُردو زباں میری

○

مجھ کو اللہ پر بھروسا ہے
تم نہیں مجھ پہ مہربان تو کیا
ایک شاعر تو ہوں میں اُردو کا
یہ نہیں ہے مری زبان تو کیا

○

دیوانگیِ عشق بڑھی اپنی حد سے جب
پتھر سے اپنے سر کو میں ٹکرا کے رہ گیا
کیا پوچھتے ہو کیسے گزاری شبِ فراق
دل کو خیالِ یار سے بہلا کے رہ گیا

○

گزاری عمر میں نے بیخودی میں اس طرح صوفی
خبر کچھ تھی نہیں مجھ کو مرا دل کس پہ مائل تھا

○

ستم کو بھی اب میں کرم جانتا ہوں
کیے جائیے آپ مجھ پر جفائیں
یہ بُت دیکھنے میں جو ہیں بھولے بھالے
چُراتی ہیں دل ان کی کافر ادائیں

○

گئے دن کہ دل میں بسا تھا زمانہ
مکیں اس میں اب ہے محبت کسی کی

○

بجھی جا رہی ہے جو شمعِ محبت
دوبارہ اُسے تم جلاؤ تو جانیں
نظر سے بچے تو کمال اس میں کیا ہے
خیالوں سے دامن بچاؤ تو جانیں

○

شعلے بھڑک رہے ہیں دلوں میں نفاق کے
دوزخ بنی ہوئی ہے زمینِ وطن ابھی
ڈر ہے کہ چھا نہ جائے خزاں پھر بہار پر
غافل بہت چمن سے ہیں اہلِ چمن ابھی

○

امن کی اُمید ہی کوئی نظر آتی نہیں
ہے زمیں زیر و زبر سارا جہاں خطرے میں ہے

کام جو کرنا ہے صوفی آج ہی کر ڈالیے
کیا بھروسا زیست کا عمرِ رواں خطرے میں ہے

○

وہ مختار ہیں جب بھی چاہیں مٹا دیں
امانت ہے ان کی مرا دل نہیں ہے

○

دلِ شوریدہ سر کیوں زخم کھا کر مسکراتا ہے
یہ رازِ عشق ہے اس کو بھلا کیا چارہ گر سمجھے

○

مٹانا مرا کب ہے دشوار لیکن
مٹا کر مجھے آپ کیا پائیے گا

○

شمعِ حسنِ دوست روشن ہو گئی بزم میں
عاشقِ شوریدہ سر پروانہ وار آ ہی گیا
پھر نہ آنے کا ارادہ کر کے اٹھا تھا کوئی
اور پلٹ کر بزم میں بے اختیار آ ہی گیا

○

بھلانے کی اُسے کرتا ہوں کوشش
مگر وہ یاد پیہم آ رہا ہے!

○

صوفی کی نیک ذات غنیمت جہاں میں تھی
تم نے اسے شکار کیا ہائے کیا کیا؟

○

چمن کی سیر اب جی بھر کے کر لو
خبر کیا پھر بہار آئے نہ آئے
مرے گھر کا اُجالا فاطمہ[1] تھی
نہ اُس کی یاد کیوں مجھ کو ستائے

○

بدلے جفا کے اُن سے وفا کر کے دیکھ لوں
اک جان ہے اُسے بھی فدا کر کے دیکھ لوں
توڑوں کسی کا دل مرے مذہب میں کفر ہے
لا چارہ گر تری بھی دوا کر کے دیکھ لوں
جب موت اک پیام نئی زندگی کا ہے
میں کیوں نہ زندگی کو فنا کر کے دیکھ لوں

---

[1] زوجۂ صوفی (فوت: ۱۹۵۲ء)

بادۂ صافی

مقامِ مسرت ہے کہ میرے نادیدہ شناسا صوفی بانکوٹی مرحوم کا مجموعۂ کلام اُن کے لائق اور ہونہار فرزند بدیع الزّماں خاور کی کوششوں سے (جو خود بھی ایک خوش گو شاعر ہیں) بادۂ صافی کے مناسب نام سے طبع ہو کر منظرِ عام پر آرہا ہے۔

صوفی مرحوم میرے مرحوم بھائی حضرت ابراحسنی گنّوری کے دامنِ فیض سے وابستہ تھے۔ وہ اپنے تخلّص کے اعتبار سے برائے نام صوفی نہ تھے بلکہ فطرتاً پاک سیرت، منکسر المزاج اور زمانہ شناسی سے مبرّا تھے۔ اگرچہ وہ علاقۂ مہاراشٹر کے ساحلی خطّۂ کوکن کے رہنے والے تھے جہاں کے باشندوں کی مادری زبان مراٹھی ہے مگر وہاں اُردو بھی مقبول و متعارف ہے۔ چنانچہ اُردو کی فطری دل کشی اور جاذبیت کی وجہ سے وہاں بھی اُردو کے خوش گفتار شاعر رونما ہو کر شعرائے اُردو میں اضافہ کررہے ہیں۔ جن کے کلام فصاحتِ نظام کو دیکھ کر یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ ان کی مادری زبان اُردو نہیں ہے۔

افسوس ہوتا ہے اُن ذی اقتدار بساطِ سیاست کے مہروں پر جو اپنی مطلب برآری کے بعد کہتے ہیں کہ اُردو ہندوستان کی زبان ہی نہیں۔ اس کو تو منگولیوں اور تاتاریوں نے زبردستی یہاں کے لوگوں کے سر منڈھ دیا تھا۔ اللہ اللہ ان کو اپنے ملک کی تاریخ پر کتنا عبور حاصل ہے اور وہ کس قدر حقیقت شناس ہیں۔ بہر حال حالات و واقعات شاہد ہیں کہ ان کی یہ اُردو دشمنی اُردو زبان کی رفتارِ ترقی میں حائل تو ہو سکتی ہے اسے ختم نہیں کر سکتی۔ اُردو اپنی فطری دل کشی شیرینی اور دل آویزی کے باعث پھل پھول رہی ہے اور رہتی دُنیا تک پھولتی پھلتی رہے گی۔ انشاء اللہ۔

صوفی مرحوم کے اس مجموعے میں موثر و دل کش اور حشو و زوائد سے پاک و صاف اشعار کی کمی نہیں ہے مثلاً :

مَیں نے تو جان دے کے شہادت خرید لی
قاتل نے قتل کر کے ندامت خرید لی
رحمت سے واسطہ جو پڑا میرا حشر میں
بدلے میں ہر گناہ کے جنّت خرید لی

○

وہ پاس نہیں ہے تو جہنّم ہے یہ دُنیا
پہنچا دے صبا جا کے یہ پیغام کسی کو
جو مَیں نے گزاری ہے ترے ہجر میں اے دوست
ایسی بھی دکھائے نہ خدا شام کسی کو

○

کب سے وبالِ دوش ہے میرے لیے یہ سَر
آجاؤ ایک روز تو خنجر لیے ہوئے
جاؤں گا جھومتا ہوا رحمت کے سامنے
عِصیاں کا بارِ حشر میں سر پر لیے ہوئے

○

چھوڑا ہے کس نے تیرِ نظر کچھ نہ پوچھیے
کیوں بڑھ گیا ہے سوزِ جگر کچھ نہ پوچھیے
جھکتی ہے بار بار جبینِ نیاز کیوں
ہے کون آج پیشِ نظر کچھ نہ پوچھیے

○

ساقیٔ محفلِ دنیا کو مستی کی شان دکھاتی ہے
اس وقت مجھے بیہوش بنا جب ہوش میں محفل آجائے

○

کاٹا جس کے سہارے زندگی
وہ نظر ہی مجھ سے برہم ہو گئی
آگئی جب منزلِ جاناں قریب
شوق کی رفتار مدھم ہو گئی

○

منتشر اپنے خیالات نہ ہونے دیں گے
دل کو آزردۂ جذبات نہ ہونے دیں گے
مطمئن اہلِ چمن ہم سے رہیں، گلشن پر
جس سے حرف آتا ہے وہ بات نہ ہونے دیں گے

۵۱۷

شکر و سپاس

اپنے والد مرحوم کے منتخب کلام کا ایک مختصر سا مسودہ میں نے ۱۹۷۸ء میں مرتب کر لیا تھا جو اب بادۂ صافی کے نام سے کتابی صورت میں شایع ہو رہا ہے۔ تاخیر ہی سے سہی میں اپنا ایک اہم فرض ادا کر سکا اس کی مجھے خوشی ہے۔

پیپلولی تعلقہ منڈن گڈھ (رتناگیری) کے رئیس جناب محمد باوا صاحب خلفے مرحوم میرے والد کے بے حد مخلص کرم فرما اور قدر دان تھے اُن کے فرزند ارجمند جناب اسماعیل محمد خلفے جناب ابراہیم محمد خلفے اور جناب علی محمد خلفے نے مجھے اس کتاب کی اشاعت کے لیے اپنے محبت آمیز عطیات سے نوازا ہے۔ میں ان تینوں بھائیوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں پیپلولی ہی کے جناب عمر ابراہیم مالونکر، جناب عثمان کھوتو مالونکر اور حاجی عمر ابراہیم پیٹکر نے بھی دامے درمے میرا ہاتھ بٹایا ہے۔ میں ان حضرات کے حسنِ سلوک کا بھی معترف ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

پیپلولی کوکن کا ایک چھوٹا سا گانو ہے جہاں میرے والد نے اپنی ملازمت کے چند بہترین سال گزارے تھے۔ اس گانو کے لوگوں کو میرے والد سے بے حد لگاؤ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ خلفے برادران اور اُن کے ہم وطنوں نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں جو پُرخلوص تعاون دیا ہے اس سے میرے والد کی روح سکون اور خوشی محسوس کرے گی۔

میں جناب حرمت الاکرام صاحب، جناب صغیر احسنی صاحب، جناب مالک رام صاحب اور ڈاکٹر طلحہ رضوی برق صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جن کے دیدہ ورانہ تاثرات اس کتاب میں شامل ہیں۔

جناب پریم گوپال متل صاحب نے ازراہِ محبت اس کتاب کی طباعت کی ذمہ داری قبول کر کے میرے لیے اس دشوار مرحلے کو بڑی حد تک آسان بنا دیا ہے۔ پرماتما انھیں خوش و خرم رکھے۔

بدیع الزماں خاور

بدیع الزماں خاور

کے

شعری مجموعے

- ○ **حروف** ــــــ (نظمیں اور غزلیں) ۴/۵۰
  (اُتر پردیش اُردو اکاڈیمی سے انعام یافتہ)

- ○ **میرا وطن ہندوستان** (قومی اور وطنی نظمیں) ۴/-
  (حکومتِ مہاراشٹر اور اُتر پردیش اُردو اکاڈیمی سے انعام یافتہ)

- ○ **بیاض** ــــــ (منتخب غزلیں) ۴/=
  (حکومتِ ہند اور مہاراشٹر اُردو اکاڈیمی سے انعام یافتہ)

- ○ **خوشبو** ــــــ (منظوم ترجمے) ۴/=
  (اُتر پردیش اُردو اکاڈیمی اور مہاراشٹر اُردو اکاڈیمی سے انعام یافتہ)

- ○ **امرائی** ــــــ (نظمیں اور گیت) ۱۰/=

- ○ **لفظوں کا پیرہن** (نظمیں، غزلیں، رباعیاں) ۷/=

- ○ **سبیل** ــــــ (منظوم ترجمے) ۱۰/=

چند معیاری قابلِ مطالعہ کتابیں

منٹو — شخصیت اور فن
ترتیب و انتخاب
پریم گوپال متل
۴۰ روپے

سو کینڈل پاور کا بلب
منٹو کے ۱۴ منتخب افسانے
ترتیب و انتخاب
پریم گوپال متل
۱۸ روپے

آنکھیں ترستیاں ہیں
پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے قلم سے
ان اساتذۂ فن اور ادبا کی یادیں جو
ہم میں نہیں رہے
۳۶ روپے

میرے خیال میں
نظیر صدیقی
کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ
عمدہ کتابت و طباعت [illegible]

انتظار حسین
کے
سترہ افسانے
۱۸ روپے

اے پیارے لوگو
وارث علوی
کے
تنقیدی مضامین کا پہلا مجموعہ

واپسی
آمنہ ابوالحسن کے جادو اثر قلم سے
ایک اچھوتا اور بھرپور ناول
۱۸ روپے

راجستھانی زبان و ادب
ایک تعارف
ڈاکٹر [illegible] کے قلم سے راجستھانی
زبان و ادب کا اجمالی جائزہ ۱۸ روپے

کرماں والی
کشمیری لال ذاکر کا اچھوتا ناول
جو دل کی گہرائیوں کو چھو لیتا ہے
۲۰ روپے

دائروں کا سفر
شباب للت
کا تازہ ترین مجموعۂ کلام
۱۵ روپے

روشنی پھر روشنی ہے
بمل کرشن اشک
کی منتخب نظموں کا نیا مجموعہ
۱۰ روپے

قصہ جدید و قدیم
ایک ادبی مباحثہ
مرتب: محمود سعیدی
۱۸ روپے

میراجی — شخصیت و فن
ترتیب و انتخاب
کمار پاشی
۴۰ روپے

چند ادبی شخصیتیں
شاہد احمد دہلوی کے قلم سے
دلی کی بامحاورہ ٹکسالی زبان میں
۳۰ روپے

نیا اردو افسانہ
اقتباسات انتخاب
کمار پاشی
۱۸ روپے

ہندو مسلمان
ہمت رائے شرما
کے یک موضوعی افسانے
۳۰ روپے

سلمیٰ سے دل لگا کر
شاعرِ رومان اختر شیرانی کی حیاتِ معاشقہ
[illegible] کے قلم سے
۱۸ روپے

افکارِ عبدالحق
مرتبہ:
آمنہ صدیقی
۳۵ روپے

مذہب اور سائنس
بابائے اردو
مولوی عبدالحق کے قلم سے
۱۱ روپے

پہلی کرن کا بوجھ
(شاعری)
مغنی تبسم
۱۲ روپے

لاہور کا جو ذکر کیا
(آپ بیتی)
گوپال متل
۱۰ روپے

صحرا میں اذان
(شاعری)
گوپال متل
۵ روپے

گوپال متل — ایک مطالعہ
محمد عبدالحکیم
۱۵ روپے

کینسر وارڈ
(ناول)
نوبل انعام یافتہ ادیب الیگزنڈر سولزے نتسین
کے قلم سے
۱۸ روپے

گلاگ مجمع الجزائر
(یادداشتیں تین حصوں میں)
الیگزنڈر سولزے نتسین
۴۰ روپے فی حصہ

اداسی کے پانچ روپ
(شاعری)
کرشن موہن
۲۰ روپے

لال قلعہ
(تاریخی ناول)
صفدر آہ
۸ روپے

ن۔ م۔ راشد
شخصیت اور فن
مرتب: ڈاکٹر مغنی تبسم، ڈاکٹر [illegible]

موڈرن پبلشنگ ہاؤس
۹، گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون: ۲۷۸[illegible]۶۶۹

اے عاشقِ ناشاد تجھے ہوش نہیں ہے
وہ جلوۂ رنگیں تری نظروں میں کہیں ہے
مخصوص جبیں کے لیے مخصوص ہے اک در
ہر در پہ جھکے جا کے یہ توہینِ جبیں ہے

○

نقش پائے دوست ہیں پیشِ نظر
ہر قدم پر بندگی ہے آج کل

○

ہر طرف سے اُن کے جلوے ہیں مجھے گھیرے ہوئے
جس کو تنہائی سمجھتا ہوں وہ تنہائی نہیں

○

مقدر کو بدل دیتی ہیں تدبیریں ہی انساں کی
پریشانی میں رونے سے پریشانی نہیں جاتی

○

کل انجمن میں شیخ و برہمن بھی تھے مگر
قصہ چھڑا بتوں کا نہ ذکرِ خدا ہوا

○

تمام عمر گزاری تھی جاگ کر میں نے
پکارے حشر نہ آ کر سرِ مزار مجھے

صغیر احسنی ـــــــ کھالاپار، مظفر نگر (یوپی)

۷ر جنوری ۱۹۷۸ء

صوفی بانکوٹی : محمد ابراہیم غلام محمود پرکار

خطۂ کوکن (دکن) کا "پرکار" خاندان اپنی شہرت کے باعث کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس میں ہر میدان کے شہسوار گزرے ہیں۔ صوفی بانکوٹی بھی اسی خانوادے کے نام لیوا تھے۔ ان کے والد غلام محمود پرکار عربی فارسی کے جید عالم تھے اور پیشے کے لحاظ سے طبیب۔ ان کی حذاقت کا دُور دُور شہرہ تھا۔ دادا مولوی غلام محی الدین پرکار (فوت ۱۸۹۰ء) ریاستِ جنجیرہ میں منصبِ اعلیٰ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے تھے۔

صوفی ۲۷ مئی ۱۹۱۹ء کو بانکوٹ (ضلع رتناگیری مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دیر سے شروع ہوئی اور بدقسمتی سے وہ بھی مکمل نہ کر سکے ابھی چوتھے درجے ہی میں تھے کہ ۱۹۳۱ء میں والد کا انتقال ہوگیا۔ ان کے علاوہ چار بہن بھائی اور تھے ان کی والدہ کو اپنے میکے کی طرف سے ناریل کا ایک چھوٹا سا باغ ورثے میں ملا تھا۔ یہ بانکوٹ سے کوئی دو میل دُور ایک گانو ویلاس نامی میں آج بھی موجود ہے (ضمناً ویلاس مشہور مجاہدِ آزادی نانا فرنویس کا وطن ہے) اس کے علاوہ کچھ کھیتی بھی تھی۔ یہی دونوں چیزیں خاندان بھر کے لیے خوتِ لایموت کا وسیلہ بن گئیں۔

غرض تعلیم کا سلسلہ تو منقطع ہونا ہی تھا۔ بارہ برس کی عمر میں، معاشی پریشانیوں نے بھی آگھیرا۔ خدا خدا کر کے کہیں ۱۹۴۱ء میں (بہ عمر ۲۲ سال) ورنیکلر مڈل کا امتحان پاس کیا جب وہ تین بچوں کے باپ بن چکے تھے۔ اس کے بعد پرائمری درجوں کو پڑھانے کی ملازمت مل گئی۔ ساری عمر مدرسی میں گزری اور دورانِ ملازمت ہی میں ہندی کے کچھ امتحان دیے اور ۱۹۵۲ء میں ترجیتی کورس بھی مکمل کر لیا۔ وہ طویل ملازمت کے بعد مئی ۱۹۷۷ء میں اس جوے سے سبکدوش ہونے والے تھے کہ اس سے پہلے ہی اکتوبر ۱۹۷۶ء میں قیدِ حیات ہی سے نجات کا فرمان صادر ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

۱۹۳۷ء کے لگ بھگ بعض احباب نے بانکوٹ میں ایک ادبی انجمن "معیار الادب" کے نام سے قائم کی تھی۔ اس کے زیرِ اہتمام ادبی اور شعری اجتماع تو ہونا ہی چاہیے تھا۔ ان کے علاوہ بھی بیت بازی اور شعر خوانی کے ہنگامے رہتے۔ صوفی ان جلسوں میں دلچسپی لینے لگے۔ یہیں انھیں خود شعر کہنے کی ترغیب ہوئی۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء سے انھوں نے باقاعدہ شعر گوئی شروع کر دی اور ابرا حسنی گنوری (فوت نومبر ۱۹۷۳ء) کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ جس زمانے میں ابرا حسنی بسلسلۂ ملازمت رام پور میں مقیم تھے انھوں نے وہاں سے اپنے استاد مولانا احسن مارہروی (فوت اگست ۱۹۴۰ء) کی یاد میں ایک ماہنامہ "احسن" نکالا تھا۔ صوفی بھی اس کی مجلسِ ادارت میں شامل رہے۔ اس سے معلوم ہو گا کہ استاد کو ان کی قابلیت پر کس درجہ اعتماد تھا۔ کیونکہ ابرا حسنی زبان و بیان اور فن کے معاملے میں نہ صرف سہل انگار نہیں تھے بلکہ خاصے سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ صوفی کو بھی اپنے استاد سے بے حد محبت اور عقیدت تھی۔ وہ "احسن" کی ترقی میں قلمی اور درمے ہر طرح کوشاں رہے۔

اپنی خاندانی روایت کے زیرِ اثر مرحوم کا شروع سے دین اور تصوف کی طرف رجحان رہا۔ صوفی تخلص اختیار کرنا بھی اسی میلان کے باعث تھا۔ وہ حضرت سید خاکسار علی شاہ قادری خاکی کلیانوی (فوت ۳۰ جنوری ۱۹۵۸ء) کے مُرید تھے اور سرزمینِ کوکن کے مشہور بزرگ سید حسام الدین قادری (کردہ شریف) کے معتقدِ خاص۔ سید حسام الدین صاحب اُردو، فارسی اور عربی میں شعر کہتے اور حسامی تخلص کرتے ہیں۔ ان ہی نسبتوں کا نتیجہ تھا کہ صوفی نے حمد و نعت اور منقبت میں بھی

وافر کلام کہا ہے۔ لیکن طبیعت کے استغناء کے باعث کبھی اس کی اشاعت کی طرف توجہ نہ کی۔ مشاعروں میں بھی بہت کم شرکت کرتے تھے۔ رسائل وجرائد میں شاذ و نادر ان کا کلام دیکھنے کو ملتا تھا۔ ان کی غزل کلاسیکی انداز کی ہے اور فن پر ان کی قدرت کی بیّن دلیل۔ معلوم ہوا ہے کہ ان کے کلام کا مجموعہ بادۂ صافی کے نام سے عنقریب منظرِ عام پر آنے والا ہے۔ افسوس کہ یہ ان کی زندگی میں شایع نہ ہو سکا۔

صوفی کی شادی ۱۹۳۵ء میں شیخ محمد عبداللہ پرکار کی صاحبزادی فاطمہ سے ہوئی۔ شیخ عبداللہ بہ لحاظ پیشہ جہاز پر خلاصی تھے۔ بدقسمتی سے صوفی کی رفیقۂ حیات نے ۱۹۵۲ء میں داغِ مفارقت دیا۔ حالانکہ اُس وقت عمر صرف ۳۳ برس کی تھی اور ماشاءاللہ صحت بھی بہت اچھی تھی۔ انھوں نے محض اولاد کی خاطر نکاحِ ثانی سے اجتناب کیا۔ اولاد میں چار بیٹیاں اور ایک بیٹا اپنی یادگار چھوڑے۔ یہ اکلوتے بیٹے اُردو کے نوجوان اور خوش گو شاعر بدیع الزماں خاور ہیں۔ (ولادت ۱۰ر جنوری ۱۹۳۸ء)

صحت بظاہر ٹھیک تھی۔ یکایک ۷ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کو دل کا دورہ پڑا ڈاکٹروں نے تشخیص کی کہ اس سے پہلے بھی غالباً ایک دورہ پڑا تھا جو بہت ہلکا تھا اور ان کی تسلی بخش تندرستی کے پیشِ نظر اس کا پتا ہی نہیں چلا۔ اب کے اُنھیں بمبئی کے نائر اسپتال میں داخل کر دیا گیا مگر علاج معالجے سے حالت بہتر نہ ہوئی۔ اور اسی میں ۱۱ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کو پیر کے دن جاں بہ حق ہو گئے۔ لاش ان کے وطن بانکوٹ گئی جہاں اگلے دن منگل (۱۲ر اکتوبر ۷۶ء) کو اُنھیں آبائی قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ ان کے معنوی چچا صغیر احسنی نے تاریخِ وفات کہی :

بچ نہیں سکتا ہے کوئی دستِ بُردِ موت سے
روز و شب رہتا ہے مصروفِ عمل دستِ قضا

رفتہ رفتہ جا رہے ہیں دوستدارانِ کہن !
کیا شگفتِ دل کا ساماں بزمِ ہستی میں رہا
چل دیا صوفی بھی اُٹھ کر ہم تڑپتے رہ گئے
دُور تھے لیکن تھا دونوں کے دِلوں میں رابطا
ہم تو پی کر اشکِ غم کر لیں گے صبر و ضبط بھی
مرنے والے دے تجھے آسودگی ربِّ عُلا

سالِ رحلت از لبِ احباب نکلا یہ صغیر
آہ صوفی بھی ہمیں اب رنجِ فرقت دے گیا

۱۳۹۵ + ۱ (۱۳۹۶ء)

مالک رام

(بہ شکریہ "تحریر" دہلی)

پیش لفظ

گھر کا ماحول بھی کیا چیز ہوتا ہے۔ ہماری پرانی تہذیب و معاشرت جس انداز سے گھروں میں محفوظ تھی، اب نہیں رہی۔ قدروں کا شیرازہ بکھر گیا۔ تقریباً پچاس سال قبل تک ہندوستان کے عام شریف گھرانوں میں تربیت و پرداخت کا یہ نقشا تھا کہ اذہان خود بخود صحیح اور روشن سمت اختیار کر لیتے تھے۔ تعلیم و تہذیب کی خشتِ اوّل ہی کچھ اس متوازن اور از خود درست انداز سے رکھی جاتی تھی کہ خواہ کسی بلندی تک جائے دیوار کبھی کج نہ ہو۔ قسامِ ازل نے جس کو جیسی صلاحیت ودیعت کی وہ اسی کے ساتھ اپنے معیار و منہاج کو جا لیتا تھا۔ ہر دور میں شعر و شاعری کو ہماری تہذیب و ثقافت کی جان سمجھا گیا۔ اور کیوں نہ ہو اسی سے ہمیں تہذیبِ نفس و آدابِ زندگی کے اسباق ملے ہیں۔

بَادۂ صَافی

شاعری خود ایک ایسا لطیف و شریف فن ہے جو اپنے فن کار کو، اگر وہ حقیقتاً
ن کار ہے ذاتی و معاشرتی اور اخلاقی و روحانی کثافتوں سے بالاتر کر لیتا ہے اور شاعر
دل تجلیاتِ اسرار کا آئینہ بن جاتا ہے۔ مادیات میں اسیر رہ کر بھی اس کی زود حسی
عالم یہ ہوتا ہے کہ بقولِ جگر مرادآبادی :

راز جو سینۂ فطرت میں نہاں ہوتا ہے
سب سے پہلے دلِ شاعر پہ عیاں ہوتا ہے

میں اس پیش لفظ میں ارضِ کوکن کے ایک ایسے ہی شاعر کا تعارف پیش کرنا
ہتا ہوں جسے بجا طور پر اپنے خوش گوار علمی ماحول کی ایک قابلِ قدر تخلیق
جا سکتا ہے۔ خطۂ کوکن کا "پرکار" خاندان کسی تعارف کا محتاج نہیں
ابراہیم غلام محمود پرکار اسی خانوادے کے فرزند ارجمند تھے۔ ان کے والدِ
رم غلام محمود پرکار عربی و فارسی کے جید عالم اور طبیبِ حاذق تھے۔ دادا
ری غلام محی الدین پرکار (فوت ۱۸۹۷ء) ریاستِ جنجیرہ میں منصفِ
کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ اس نتھرے اور ستھرے خاندان میں محمد
ہیم غلام محمود پرکار نے ۲۷ مئی ۱۹۱۹ء کو بانکوٹ (مہاراشٹر) میں
کھولی۔ کم سنی ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور گوناگوں مسائل
ت درپیش ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے اور مدرسی کو پیشہ کیا۔

بانکوٹ کی ایک ادبی انجمن "معیار الادب" کے مشاعروں سے شعر گوئی
ریک ہوئی اور صوفی تخلص اختیار کیا۔ واضح ہو کہ تخلص اختیار کرنے میں
کے طبعی میلان کو بڑا دخل ہوتا ہے اور بعد میں اس تخلص کا بھی اس کی
بت پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے۔ حضرت صوفی، جناب ابر احسنی گنوری کے
لمذہ سے وابستہ ہوئے اور اکتسابِ فیض کیا۔
مذہب و تصوف کی طرف حضرتِ صوفی کا رجحان گویا موروثی تھا وہ

حضرت سید خاکسار علی شاہ قادری خاکی کلیانوی کے مُرید تھے اور سید شاہ حسام الدین قادری (کرہ شریف) کے معتقدِ خاص۔ ان ہی نسبتوں کے زیر اثر صوفی نے حمد و نعت اور منقبت بھی لکھی ہے۔ شاعری میں صنفِ غزل ان کا میدانِ عمل رہی۔ صفائے طبیعت اور فکرِ رسا نے کلام میں زور و اثر پیدا کیا۔ زبان و بیان پر کامل اختیار اور لب و لہجہ کی شیرینی دیکھ کر جنوری ۱۹۴۹ء میں "بزمِ مصحفی" بمبئی نے انھیں "طوطیِ چمن" کا خطاب دیا۔ تقریباً ۵۷ سال کی عمر میں حضرت صوفی نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو بعارضۂ قلبی داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

کہا جاتا ہے کہ شاعر کا کلام ہی اس کی شخصیت و کردار کا آئینہ ہوتا ہے۔ فکر و خیال کی تمام تر جولانیاں تجربات و مشاہدات کی عکاسیوں کے ساتھ حرف و صوت کے خوب صورت فنی نمونے پیش کرتی ہیں۔ ان ہی نمونوں کے تجزیے سے ہم شاعر کے ماضی، حال اور مستقبل پر روشنی ڈالتے ہیں اور دُنیائے شعر و ادب میں اُس کے مقام کی تعیین ہوتی ہے۔

حضرتِ صوفی کی شاعری کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوگا کہ وہ بڑے صاف دل، پاک سیرت اور ایک معصوم انسان تھے۔ اخلاقی قدروں کی روایت جو توریثی طور پر اُن تک پہنچی، وہ اسے سینے سے لگائے بدلتے ہوئے نامساعد دور میں اس کی بربادی سے خائف رہے۔

قدریں مٹتی بھی ہیں، قدریں بدلتی بھی ہیں اور قدریں قایم بھی رہتی ہیں۔ ظاہر ہے، مٹنے والی قدروں کی جگہ دُوسری قدریں لیتی ہیں، مبتدل قدروں کا صرف انداز و اسلوب نیا ہوتا ہے اور بنیادی قدریں تو اساسی ہیں ہی لہٰذا امٹ اور باقی ہیں۔ بیسویں صدی کے نصف اوّل میں عالمگیر طور پر جو انقلابات ظہور پذیر ہوئے ان کے اثرات سے ہمارا ملک، معاشرہ اور ماحول بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ حضرتِ صوفی کا عہد ایک متغیر، اثر پذیر اور عبوری دَور تھا۔ تہذیبی

قدروں کی شکست وریخت، علمی معیار کی گراوٹ اور اخلاقی سطح کے مائل بہ انحطاط ہونے نے صوفی کو بے حد متاثر کیا۔

اشعار چونکہ صرف ذہن کی پیداوار نہیں ہوتے بلکہ ان میں نہاں خانۂ قلب کی پسی ہوئی بجلیاں بھی سرایت کی ہوئی رہتی ہیں۔ ان پر جذبات کی پوری آنچ کا اثر رہتا ہے۔ لہٰذا معیارِ شعری یہی ٹھہرا کہ از دل خیزد بر دل ریزد یعنی دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ حضرتِ صوفی کے اشعار میں واردات و محسوسات کے سونے کی ڈلک موجود ہے جو دل کی بھٹی میں تپ کر کندن بنتا ہے۔ ظاہر ہے یہ کامیابی کسی شاعر کو صدفی صد حاصل نہیں ہوتی بلکہ اُس کے پورے کلام میں ایسے اشعار کی شرح فی صد کے اعتبار سے اُس کے مقام و مرتبہ کا تعین ہوتا ہے۔ صفِ اول و دوم و سوم کی تفریق اسی لحاظ سے ہوتی ہے۔ یہاں مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ حضرت صوفی کس صف کے شاعر ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اُن کے کیسۂ سخن میں کتنے موتی ایسے ہیں جن کی آب و تاب سرورِ ایام سے متاثر نہ ہو۔

حمد و نعت اور منقبت و مناجات حضرت صوفی کے مذہب و مسلک کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ایک خدا ترس انسان کا دل یوں بھی گداز ہوتا ہے اور پھر جسے عشق کی آنچ لگ گئی ہو تو کیا کہنا، سونے پر سہاگہ ہے۔ جنابِ صوفی اہلِ دل تھے اور اہلِ نظر بھی۔ متاعِ دل بڑی دولت ہے اور وہ بھی صوفی کا دل جس کی صفائی بادۂ صاف سے ہوتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

تا دل نہ کرے صاف مئے صاف سے صوفی
کچھ سود و صفا علمِ تصوف میں نہیں ہے

یہ حوصلہ حضرتِ صوفی کے اعتماد و اعتبار کی دلیل ہے۔ فرماتے

یہ مانا جستجو تیری بہت دشوار ہے لیکن
ہم اہلِ دل کہاں اس بات کو مشکل سمجھتے ہیں

تغزل ایسے ہی دل میں گھر کرتا ہے جہاں انسان دوستی بلکہ کائنات کا غم پلتا ہو۔ بقول امیر :

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

شاعر بہر حال اپنے ماحول سے الگ نہیں ہوتا اور ہر عصری رَو اُسے چھو کر گزرتی ہے۔ صوفی مرحوم کے درج ذیل اشعار ان کی انسان دوستی اور حُبِّ وطن جیسے نیک جذبات کا ثبوت ہیں :

شعلے بھڑک رہے ہیں دلوں میں نفاق کے
دوزخ بنی ہوئی ہے زمینِ وطن ابھی

اس شعر کا پس منظر وضاحت نہیں چاہتا مگر اس صورتِ حال میں صوفی کا پیام ملاحظہ ہو :

وطن ہم سے قربانیاں چاہتا ہے
وطن کے لیے سر کٹانے کے دن ہیں

وہ لوگ جو ناخوشگوار حالات و واقعات سے گھبرا کر ارضِ وطن کو خیرباد کہتے ہیں، اُنھیں صوفی یوں آواز دیتے ہیں :

خیالِ برق و صرصر سے چمن کو چھوڑنے والے
نشیمن بجلیوں ہی میں بنا دیتے تو کیا ہوتا

یہ ہے شاعر کا عزم اور پیامِ حیات و تعمیرِ حیات۔
اسی ذہن بیدار اور دلِ زندہ کے ساتھ جو شاعری ہوتی ہے وہ فنکارانہ تقاضوں سے بھی بآسانی عہدہ برآ ہوتی ہے۔ مشقِ سخن خونِ جگر سے جلا پاتی ہے اور نتیجتاً ایسے نمونے سامنے آتے ہیں جو زبان و بیان کی دنیا میں سکۂ رائج الوقت بن کر چلتے ہیں۔ صوفی فطرتاً غزل گو تھے:

کیے بیٹھے ہیں اک مدت سے ہم ترکِ سخن صوفی
مگر اپنی طبیعت کی غزل خوانی نہیں جاتی

غزل گوئی کی نزاکتیں بڑی پُر قوت ہوتی ہیں۔ یہ وہ سرچشمۂ فیضِ سرمدی ہے جو قلب کے نہاں خانوں سے پھوٹ کر پتھر دلوں کو بھی توڑ کر اپنے سیلِ بے پناہ میں بہالے جاتا ہے:

عشق نے روح میں پھونکے ہیں مری وہ نغمے
مَیں جو چاہوں تو فضاؤں کو غزلخواں کر دوں

اُردو شاعری کی ایک روایت یہ بھی رہی ہے کہ اکثر شاعر پامال مضامین کو اپنی جودتِ طبع سے وہ ندرت عطا کرتے ہیں جو ایوانِ شاعری میں نقشِ جمیل بن کر بقائے حیات کے ضامن بن جاتے ہیں۔ ہر دَور میں شعراء نے شیخ و برہمن کو موضوعِ سخن بنایا ہے مگر درجِ ذیل شعر میں جنابِ صوفی نے ایجاز و اشارہ کا جو کمالِ فن پیش کیا ہے وہ ان ہی کا حصّہ تھا، فرماتے ہیں:

کل انجمن میں شیخ و برہمن بھی تھے مگر
قصہ چھڑا بتوں کا نہ ذکرِ خدا ہُوا

جنابِ صوفی کا کلام دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے زود گوئی کو کبھی اپنا شعار نہیں بنایا۔ وہ کم کہتے رہے مگر کام کی کہتے رہے۔ زبان بیان سے اُن کی مشق و مداومت کا پتا چلتا ہے۔ ذیل کے اشعار دیکھ کر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جنابِ صوفی میں ایک کامیاب شاعر ہونے کی تمام تر صلاحیتیں موجود تھیں :

لاکھ خنجر دل میں ہیں ٹوٹے ہوئے
ابروئے خم دار تیرا شکریہ
بے نیازِ عیش عالم کر دیا
التفاتِ یار تیرا شکریہ

○

تری یاد مونس، ترا درد ہمدم
مری زندگی واقعی زندگی ہے

○

نظر صوفی پر اس نے یوں اُٹھائی
کہ نکلے جس طرح ناوک کماں سے

○

تمھارا نام جب سنتا ہے آنکھیں کھول دیتا ہے
مریضِ غم کی ورنہ شکل پہچانی نہیں جاتی

○

بڑھے جاتے ہیں مستانہ روی سے سارے دیوانے
یہ میدانِ قیامت کو تری محفل سمجھتے ہیں

بچ رہیں گے تو قیامت کی سحر دیکھیں گے
رات فرقت کی کسی طرح بسر ہو جائے

○

یہ بزمِ حُسن ہے انداز ہیں جُدا اس کے
یہاں تو دل ہی پئے نذر لائے جاتے ہیں

○

عشق کا شاید یہی انجام ہے
دیکھیے جس کو وہی ناکام ہے

○

جائیے بالیں سے اب یہ پُرسشیں بیکار ہیں
سو چکا وہ، نیند جس کو عمر بھر آئی نہیں

○

صوفی مرحوم کے مجموعۂ کلام کی اشاعت "بادۂ صافی" کے نام سے ایک مبارک اقدام ہے۔ صدیقِ مکرّم بدیع الزّماں خاور حضرتِ صوفی کے لائق و فائق فرزند ہیں۔ میں اُن کی اس اشاعتی کاوش پر تہنیت و تبریک پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر طلحہٰ رضوی برقؔ
صدر شعبۂ اُردو، فارسی
ایچ۔ڈی۔جین کالج، آرہ (بہار)

۱۴ نومبر ۱۹۷۸ء

جو گزرتی ہے مرے دل پر وہ کرتا ہوں بیاں
شعر صوفی میرے بے موسم کی شہنائی نہیں

نظمیں

حمد

میں نے تجھے پایا ہے

بے لوث نمازوں میں — الفت کے نیازوں میں
بجتے ہوئے سازوں میں — محبوب کے نازوں میں
میں نے تجھے پایا ہے

میں نے تجھے پایا ہے

گلشن کی بہاروں میں — افلاک کے تاروں میں
دریاؤں کے دھاروں میں — دُنیا کے اداروں میں
میں نے تجھے پایا ہے

میں نے تجھے پایا ہے

مظلوم کی حالت میں — حاتم کی سخاوت میں
مجنوں کی محبت میں — لیلیٰ کی طبیعت میں
میں نے تجھے پایا ہے

میں نے تجھے پایا ہے

پھولوں کے خزانوں میں — بلبل کے ترانوں میں
الفت کے فسانوں میں — کلفت کے زمانوں میں
میں نے تجھے پایا ہے

(پمپلونی تعلقہ منڈن گڑھ کے اُردو نوازوں کی طرف سے شائع شدہ)

صوفی بانکوٹی مرحوم کا یادگار مجموعۂ کلام

مرتبہ:

بدیع الزماں خاور

مَیں نے تجھے پایا ہے
ہر باغ میں ہر بن میں — ہر دانہ و خرمن میں
ویرانہ و گلشن میں — برسات میں ساون میں
مَیں نے تجھے پایا ہے

مَیں نے تجھے پایا ہے
عاصی کے گناہوں میں — مہجور کی آہوں میں
دُنیا کی پناہوں میں — اجمیر کی راہوں میں
مَیں نے تجھے پایا ہے

مَیں نے تجھے پایا ہے
تبلیغِ رسالت میں — خواجہؒ کی کرامت میں
خاکیؔ کی محبت میں — صوفی کی طبیعت میں
مَیں نے تجھے پایا ہے

ؔ ارضِ دکن کے مشہور بزرگ حضرت سید خاکسار علی شاہ قادریؒ جو شاعر بھی تھے اور خاکی تخلص کرتے تھے۔ خطۂ دکن میں اُن کے مرید کافی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔

——— خاور

دُعا

غفلت کی نیند سے تُو مولا ہمیں جگا دے
ہم رہ گئے ہیں پیچھے آگے ہمیں بڑھا دے
علم و ہُنر عطا کر ہم کو کرم سے اپنے
بگڑا ہوا مقدر اک آن میں بنا دے
عزت وہی دے ہم کو اسلاف کو جو دی تھی
عظمت سے تو ہماری اک بار پھر ملا دے
تعلیمِ دین و دُنیا ہم نے جہاں کو دی تھی
ہیں جہل کے گڑھے میں، عالم ہمیں بنا دے
بھُولے ہوئے ہیں یکسر اُلفت کے جو سبق تھے
اپنے کرم سے مولا وہ یاد پھر دلا دے
اُمّت کی ناؤ یارب طوفاں میں آپھنسی ہے
کر آ کے ناخدائی، اب پار اسے لگا دے
احکامِ دین کی پروا مطلق نہیں ہے ہم کو
قرآن کا سبق تو پھر سے ہمیں پڑھا دے
رحمت کا تیری طوفاں ہو تُند و تیز ایسا
سُستی کو جو ہماری اک آن میں اُڑا دے
خم ہے سرِ نیاز اب صُوفی کا تیرے در پر
اس مبتدی کو مولا شیریں سخن بنا دے

نعت

دکھا دے خواب ہی میں اے خدا صورت محمدؐ کی
کیے دیتی ہے اب تو مضطرب فرقت محمدؐ کی
محمدؐ، ہاں محمدؐ دہر کی یوں بھی تو عظمت تھے
فزوں تر ہو گئی معراج میں عظمت محمدؐ کی
نہیں ممکن جلائے نارِ دوزخ مردِ مومن کو
وہاں آ جائے گی جب جوش میں رحمت محمدؐ کی
محمدؐ جب کہ ٹھہرے مالکِ خلدِ بریں ہمدم
بھلا دوزخ میں کیسے جائے گی امت محمدؐ کی؟
فرشتوں سے بھی بازی لے گیا وہ خاک کا پتلا
جسے قسمت سے حاصل ہو گئی قربت محمدؐ کی
خلیل اللہ، کلیم اللہ و رُوح اللہ کہتے تھے
کہ ہوتے کاش ہم بھی اے خدا امت محمدؐ کی
ملائک بھی ادب سے نام تیرا لیں گے اے صوفی
یونہی کرتا رہے گا تو اگر مدحت محمدؐ کی

قطعاتؔ

سلام اے برگزیدہ نورِ سبحاں، شمع ایمانی
سلام اے بدرِ کامل، زینتِ ہر بزمِ انسانی
سلام اے مصلحِ اعظم، سلام اے روحِ قرآنی
محمد مصطفےٰ اے شانِ امرانِ روحانی

○

دُور ہو جس سے اندھیرا وہ چمک پیدا کر
پھیل جائے جو جہاں میں وہ لہک پیدا کر
جاگنے والے سینما میں مسلسل اکثر
قوم کے غم میں نہ جھپکے وہ پلک پیدا کر

منقبت

خواجۂ اجمیر کے آستانے پر

شہنشاہِ وطن مجھ پر نظر اک بار ہو جائے
تمنا ہے کہ اچھا اب دلِ بیمار ہو جائے

گلِ اُمید سے جھولی بھرے در کے بھکاری کی
ضرورت ہے نصیبِ خفتہ اب بیدار ہو جائے

مُرادیں لے کے جائیں گے ترے دربار سے خواجہؒ
کرم کی ہو نظر ہم پر کہ بیڑا پار ہو جائے

غریبوں پر نوازش تیرا مشرب ہے طریقہ ہے
ترے در کا سیا ہی کیوں نہ پھر سالار ہو جائے

بڑی مدت سے تھی یہ آرزو آجاؤں روضے پر
مری یہ حاضری مقبول اب سرکار ہو جائے

گدائے خاص ہوں در سے کبھی خالی نہ جاؤں گا
مرا دل فیض سے تیرے سکوں آثار ہو جائے

درِ خواجہ پر آئے ہیں مرے پیر طریقتؒ بھی[1]
دل ان کا میرے مولا! مطلعِ انوار ہو جائے

نہ ٹھکرانا اسے تم یہ زمانے کا ستایا ہے
نگاہِ لطف صوفی پر مرے سرکار ہو جائے

[1] والدِ مرحوم اپنے مرشد حضرت خاکی کلیانویؒ کے ساتھ زیارت کے لیے اجمیر شریف گئے تھے۔

زائرِ مدینہ سے

طیبہ کے جانے والے میرا سلام کہنا
محبوبِ کبریا سے غمگیں پیام کہنا
جالی کو تھام کر یوں، با احترام کہنا
درہم ہوا ہے آقا سارا نظام کہنا
تعلیم آپؐ کی گو بھولے ہوئے ہیں مسلم
لیتے ہیں آپؐ ہی کا لیکن وہ نام کہنا
جرعے سے جس کے لاکھوں مستی میں جھومتے ہیں
ہاتھوں سے وہ پلا دو وحدت کا جام، کہنا
اُمید ہے، یقیناً آقا انھیں سُنیں گے
کلماتِ خیر جا کر بہرِ غلام کہنا
اے زائرِ مدینہ! اُونچے نصیب والے
احسان مجھ پہ کرنا، میرا پیام کہنا
ہے خستہ حال صوفی کوکن میں جو پریشاں
مقبول یا نبیؐ ہو اس کا سلام کہنا

غزلیں

عشق نے روح میں پھونکے ہیں مری وہ نغمے
میں جو چاہوں تو فضاؤں کو غزل خواں کر دوں

صوفی

○

دمِ آخر مری بالیں پہ نہ آیا کوئی!
کاش اسی وقت دکھاتا رخِ زیبا کوئی

کام جب میں نے تصوّر سے لیا فرقت میں
سامنے آ ہی گیا غیرتِ لیلیٰ کوئی

اپنے مطلب کے ہوا کرتے ہیں احباب عزیز
وقت پڑنے پہ کسی کا نہیں ہوتا کوئی

اب وہ ہر وقت تصوّر میں رہا کرتے ہیں
دل میں باقی نہ رہا ہجر کا کھٹکا کوئی

اُن کے دل میں تو جگہ مل نہیں سکتی صوفی
ڈھونڈ لے گورِ غریباں میں ٹھکانہ کوئی

○

قدم اپنا آگے بڑھاتا چلا جا
جو حائل ہوں روڑے ہٹاتا چلا جا

زمانے کو حاجت ہے تہذیبِ نَو کی
رسوماتِ کہنہ مٹاتا چلا جا

ضرورت ہے دُنیا کو اس کی ہی ساقی
شرابِ محبّت پلاتا چلا جا

بنا خُلدِ نادار کے جھونپڑوں کو
امیروں کے ایواں بہاتا چلا جا

مصیبت ہو کیسی ہی، گھبرا نہ ہرگز
قدم سوئے منزل بڑھاتا چلا جا

اُٹھا دے جہاں سے دُوئی کے یہ پردے
مئے عشق سب کو پلاتا چلا جا

اگر قُرب کی تجھ کو خواہش ہے صُوفی
گناہوں کی آتش بجھاتا چلا جا

بادۂ صافی

سوچتا ہوں میں بہت دن سے یہی اے صوفی
زندگی ہی کا مرتب کوئی دیواں کر لوں!

○

بہرِ سجدہ جو ترے در پہ گزر ہو جائے
ہم سرِ عرشِ معلّیٰ مرا سر ہو جائے

بچ رہیں گے تو قیامت کی سحر دیکھیں گے
رات فرقت کی کسی طرح بسر ہو جائے

آ نہ جائیں وہ نشاں میرا مٹانے کے لیے
میرے مدفن کی اگر اُن کو خبر ہو جائے

کوئی مجبور سمجھ کر نہ ستائے مجھ کو
کیا پتا رُخ مری آہوں کا کدھر ہو جائے

مجھ کو طوفانِ حوادث کی نہ ہو کچھ پروا!
ناخدا وہ مری کشتی کا اگر ہو جائے

کام ہمّت سے ذرا دیکھ تو لے کر صوفی
عین ممکن ہے شبِ غم کی سحر ہو جائے

ہو سکے تو میرے سر پر اتنا احساں کیجیے
دل کے ویرانے کو رشکِ صد گلستاں کیجیے

دیکھنا سب کو نگاہِ لطف سے اچھا نہیں
جو محبت ہے گراں اُس کو نہ ارزاں کیجیے

آنکھوں آنکھوں میں گزر جائیں نہ راتیں ہجر کی
ہے ضروری سوچ کر کچھ عہد و پیماں کیجیے

ہے مرے پائے جنوں پر وسعتِ صحرا ابھی تنگ
وا کسی دن میری خاطر بابِ زنداں کیجیے

حُسن کو سوغات صُوفیؔ کچھ تو دینی چاہیے
انتظاماً عشق کا تیار دیواں کیجیے

517
٥١٧

نظر کے تیر جگر میں لگائے جاتے ہیں
مزے خطائے وفا کے چکھائے جاتے ہیں

خرامِ ناز کے جوہر دکھائے جاتے ہیں
ہر ایک گام پہ فتنے اُٹھائے جاتے ہیں

ابھی تو کرنے ہیں طے مرحلے محبّت کے
ابھی سے کیوں یہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

قضا اب ایسے میں آ کر مدد کرے میری
وہ دستِ شوق سے دامن چھڑائے جاتے ہیں

بجا ہے ناز مرا اپنی چشمِ پُرنم پر
کہ رو رہا ہوں میں وہ مسکرائے جاتے ہیں

نہیں نہیں یہ چمن اُن کی سیر کے قابل
جگر کے داغ اُنھیں کیوں دکھائے جاتے ہیں

گزرنے والے رہِ دوست سے، سمجھ تو بھی
یہ وہ جگہ ہے جہاں سر جھکائے جاتے ہیں

یہ بزمِ حُسن ہے، انداز ہیں جُدا اس کے
یہاں تو دل ہی پئے نذر لائے جاتے ہیں

رہائی قید سے ممکن نہیں تری صُوفی
اسیرِ عشق یونہی آزمائے جاتے ہیں

○

مسلکِ عشق ہے یہی، دوست کی بے رُخی نہ دیکھ
تجھ کو وفا سے کام ہے، سوئے جفا کبھی نہ دیکھ

بربطِ عشق پر سُنا خاص ترانۂ وفا
اپنے ہی گیت گائے جا، ساز کی نغمگی نہ دیکھ

ہے یہ ازل کے روز سے منزلِ عشق کا چلن
آگے قدم بڑھائے جا، سختیِ رہ کبھی نہ دیکھ

ایسا نہ ہو وہ بدگماں تجھ سے ہوں بزمِ ناز میں
ان کی ضیا کے سامنے شمع کی روشنی نہ دیکھ

منزلِ عشق سخت ہے، پانو میں آبلے بھی ہیں
ایسے میں آ کے ہاتھ تھام، دُور سے بے کسی نہ دیکھ

صُوفی یہ عیشِ چند روز دیکھ فریب ہے فریب
اس میں کبھی خوشی نہ جان، اس میں کبھی خوشی نہ دیکھ

○

پیامِ دوست شاید آ رہا ہے
مرے سینے میں دل گھبرا رہا ہے
اُچٹ کر رہ گیا ہے دہر سے دل
مجھے شاید بُلایا جا رہا ہے
ہر اک سازِ جہاں میری ہی صورت
فقط نغمہ تمہارا گا رہا ہے
محبت میں نہ پوچھو حال دل کا
شگفتہ پھول تھا، مرجھا رہا ہے
کوئی ہے محوِ خود آرائیوں میں
کسی کا دَم لبوں پر آ رہا ہے
پسینے آ رہے ہیں اہلِ دل کو
نقابِ رُخ کوئی سرکا رہا ہے
دلِ بیتاب کی اس میں خطا کیا
تڑپتا ہے کہ وہ تڑپا رہا ہے
نہ ہو یارب مزاجِ دوست برہم
مرا دل خود بخود گھبرا رہا ہے

انہیں جا کر بتائے کون صوفی
غمِ فرقت قیامت ڈھا رہا ہے

○

مجھے اُن سے جو اُلفت ہو رہی ہے
زمانے بھر میں شہرت ہو رہی ہے
خرامِ ناز پر اپنے نظر کر
کہ برپا اک قیامت ہو رہی ہے
برستا جا رہا ہے ابرِ رحمت !
ہری کشتِ محبت ہو رہی ہے
ضروری ہے تمھیں اس وقت آنا
کہ تن سے رُوح رخصت ہو رہی ہے
وہ نکلا غیر، سمجھا جس کو اپنا
جہاں سے دُور اخوت ہو رہی ہے
لیے جاتا ہے وہ دل کو چُرا کر
امانت میں خیانت ہو رہی ہے
دلِ ناداں ! بڑا بے رحم ہے وہ
تجھے جس سے محبت ہو رہی ہے

کہاں پہنچے گا جانے دردؔ صوفی
کہ ابتر روز حالت ہو رہی ہے

○

محبت کے سمندر کا اسے ساحل سمجھتے ہیں
وفا میں جان دینا زیست کا حاصل سمجھتے ہیں

یہ مانا جستجو تیری بہت دشوار ہے لیکن
ہم اہلِ دل کہاں اس بات کو مشکل سمجھتے ہیں

جنابِ خضر راہِ عشق میں زحمت نہ فرمائیں
ہم اس وادی میں دل کو رہبرِ کامل سمجھتے ہیں

کرم کی آس ہے کس کو، ستم کرتے ہیں کرنے دو
یہی کیا کم ہے وہ مجھ کو کسی قابل سمجھتے ہیں

بڑھے جاتے ہیں مستانہ روی سے سارے دیوانے
یہ میدانِ قیامت کو تری محفل سمجھتے ہیں

فلک اُس روز سے دینے لگا ہے داغ چُن چُن کر
وہ میرے دل کو جب سے جَور کے قابل سمجھتے ہیں

سمجھتے ہیں وہی کچھ فرقِ صُوفی نُور و ظلمت کا
جو اُن کی آرزو کو روشنیِ دل سمجھتے ہیں!

نمبر 516

○

ہے چمن ویراں نشیمن میرا جل جانے کے بعد
بجلیاں خود ہیں پشیماں آگ برسانے کے بعد

کیا بتاؤں دل پہ کیا گزری تبسم سے ترے
رہ گیا جل کر نشیمن برق گر جانے کے بعد

عشق میں مٹ کر ہی ملتی ہے حیاتِ سرمدی
آج بھی زندہ ہے مجنوں، دہر سے جانے کے بعد

ہو سکے تو کچھ مری تسکیں کا ساماں کیجیے
زندگی سے سیر ہوں تیرِ نظر کھانے کے بعد

مے کشی ہے زاہدوں کے واسطے مطلق حرام
ہے روا مجھ کو مگر کالی گھٹا چھانے کے بعد

ہوتا آیا ہے زمانے میں ہمیشہ سے یہی
قدر تیری ہوگی صوفی تیرے مر جانے کے بعد

○

میری نگاہ میں فقط جذبِ ترا شباب تھا
چشمِ جہاں میں اس لیے قابلِ صد عتاب تھا

ایک یہ وقت ہے کہ میں دُور ہوں خُلدِ ناز سے
ایک وہ وقت تھا کہ میں بزم میں کامیاب تھا

میری تباہیاں ہوئیں آہ حجاب در حجاب
جلوے میں گم تھی چشمِ شوق جلوہ تہِ نقاب تھا

حُسن کی بارگاہ میں دین کی فکر کھو گئی
دادِ حشر کے حضور عشق کا یہ جواب تھا

ایک جھلک دکھا کے وہ آنکھ سے دُور ہو گئے
کس سے کہوں یہ اُن کا ناز میرے لیے عذاب تھا

سارے جہاں کی نعمتیں سارے جہاں کو دی گئیں
صوفیِ کم نصیب کے بخت میں اضطراب تھا

جملہ حقوق بحقِ مرتب محفوظ

MEHBOOB ALAM
Library In-charge
M.P. URDU ACADEMY, BPL

شاعر: صوفی بانکوٹی مرحوم
انتخاب و ترتیب: بدیع الزماں خاور

اشاعتِ اوّل : مارچ ۱۹۸۱ء
سرورق : رزاق ارشد
تعداد : ۵۰۰
کتابت : جمال گیاوی
مطبوعہ : نعمانی پریس، دہلی
قیمت : پندرہ روپے

زیرِ اہتمام :
پریم گوپال متل

ناشر :
موڈرن پبلشنگ ہاؤس
۹ گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۲-۱۱۰۰۰

○

سرِ مقتل ستم گر لے کے تیغِ بے نیام آیا
قضا کے بھیس میں وہ زندگانی کا پیام آیا

ہجومِ خیرگی ہی خیرگی چھایا سرِ محفل
نقابِ رُخ اُلٹ کر یوں مرا ماہِ تمام آیا

جنازہ رکھ دیا احباب نے لاکر سرِ تربت
ضروری تھا جہاں مجھ کو پہنچنا، وہ مقام آیا

ہنسی سے مے برستی تھی، نظر سے مے برستی تھی
مری جانب کچھ اس انداز سے وہ لے کے جام آیا

محبت کے اسیروں پر کرم بھی ہو ہی جاتا ہے...
مبارک تجھ کو صوفی تیرے گھر وہ خوش خرام آیا

○

تمھاری چشمِ کرم کا ہے انتظار مجھے
سمجھ لو لطف و عطا کا اُمیدوار مجھے

وہ دے کے عشق میں تقدیر داغدار مجھے
بنا گئے ہیں زرِ تابہ پا بہار مجھے

وہ حال پوچھنے آئے ہیں کیا بتاؤں انھیں
نہیں ہے دل پہ مرے آج اختیار مجھے

مجھے وفا کا خدا کے لیے فریب دے
نہیں رہا تری باتوں کا اعتبار مجھے

بجا کہ پاؤں گا جنّت میں نعمتیں لیکن
ترے بغیر کہاں آئے گا قرار مجھے

پئے تلاشِ سکوں جا رہا ہوں سوئے عدم
فضائے دہر تو آئی نہ سازگار مجھے

تمام عمر گزاری تھی جاگ کر میں نے
پکارے حشر نہ آکر سرِ مزار مجھے

گلوں کی بزم سے بے سیر میں نہ جاؤں گا
ڈرائیں لاکھ گلستاں کے آج خار مجھے

زباں سے کچھ نہیں کہتے ہیں حضرتِ صوفی
مگر نگاہ سناتی ہے حالِ زار مجھے

○

پریشانی نہ تھی کم یوں بھی پابندِ وفا ہو کر
مصیبت میں اضافہ ہو گیا تم سے جدا ہو کر

نمازِ عشق غفلت میں رہی ہے جو قضا ہو کر
ترے خنجر کے نیچے کاش رہ جائے ادا ہو کر

پریشاں کس لیے ہے دل ہجومِ رنج و کلفت سے
ملے گا عیشِ ہستی راہِ اُلفت میں فنا ہو کر

سُنا ہے وہ نقابِ رُخ اُلٹ کر آنے والے ہیں
یقیناً اب رہے گا دہر میں محشر بپا ہو کر

یہاں سے مَیں نہ آنے کا ارادہ کر کے اُٹھا تھا
مگر آیا اسی محفل میں مجبورِ وفا ہو کر

تجلّی روئے روشن کی جلا دیتی ہے آنکھوں کو
نظر آئے کوئی کیسے محبت کا خدا ہو کر

وبالِ جاں مری عمرِ دو روزہ ہو گئی مجھ کو
تو پھر کیوں خضرِ خوش ہیں حالِ عمرِ بقا ہو کر

نہیں مردانگی یہ کچھ سہارا غیر کا چاہیں
چلائیں ناؤ طوفاں میں خود اپنی ناخدا ہو کر

تمنّا مدتوں کی اس طرح پوری ہوئی میری
کہ وہ آ ہی گئے آخر عیادت کو قضا ہو کر

ترے مسکن کو ڈھونڈیں تا بہ کے ڈھونڈنے والے
دکھا دے راستا اک روز تو خود رہ نما ہو کر

محبت کے مزے میں غرق تھا میں تو مگر صوفی
مری دنیا بدل دی ہے کسی نے پھر خفا ہو کر

○

اور اثر ہو کس طرح اُن کی نگاہِ ناز میں
آگ سی اک لگا تو دی سارے دلوں کے ساز میں

لاکھ جبیں جُھکا کرے اس سے نہیں ہے فائدہ
لطفِ نماز ہے جو وہ آئے نظرِ نماز میں

موت تو آئے گی ضرور آئے جو یوں تو خوب ہو
رُوح ہو جسم سے جُدا دست کی بزمِ ناز میں

دہر سے بے نیاز ہے، محوِ خیالِ یار ہے
دیکھا کمال ہم نے یہ عاشقِ پاک باز میں

شکل تری پتا نہیں دیتی ہے صُوفیِ حزیں
رہتا ہے ہند میں مگر دل ہے ترا حجاز میں

○

دل دیا اُن کو تو بُرا کیا ہے
اور پھر عشق کا صلا کیا ہے

آپ جور و کرم کے ہیں مختار
جبر کا آپ کے گلہ کیا ہے

دل میں رہ کر بھی ہم سے روپوشی
کیا خبر اُن کا مدّعا کیا ہے

ہے تمنّا کہ خودکشی کر لوں
دردِ فرقت کی پھر دوا کیا ہے

رُوح نکلے تو وہ ہوں پیشِ نظر
مدّعا اس کے ماسوا کیا ہے

ابتدا ہی میں اس قدر وحشت ؟
سوچ، الفت کی انتہا کیا ہے

زیرِ خنجر جو ہو سکا نہ ادا
سجدۂ عشق وہ بھلا کیا ہے

ایک دل تھا جو اُن کی نذر کیا
عشق کے پاس اب رہا کیا ہے

مر مٹے زندگی میں جو صوفی
ایسے عاشق کو پھر فنا کیا ہے

○

بن کر آیا ہے نگاہوں میں گلستاں کوئی
دل میں ہو جائے نہ برپا کہیں طوفاں کوئی

ہو رہا ہے مجھے احساس یہ ہر دھڑکن پر
وادیِ دل میں ہے پھر آج خراماں کوئی

ہو کوئی بات میں نام اُن کا لیے جاتا ہوں
میری وحشت کا بتا دے مجھے درماں کوئی

سوچتا ہوں یہی جب مجھ کو ہنسی آتی ہے
کہیں لائے نہ بلا گردشِ دوراں کوئی

گُل کھلائے ہیں تلوّن نے تمھارے کیا کیا
کوئی نازاں ہے مقدّر پہ تو نالاں کوئی

اُس کی مرضی ہے جسے چاہے بنالے اپنا
مذہبِ عشق میں کافر نہ مسلماں کوئی

جان آنکھوں میں رُکی ہے دمِ آخر صوفی
آ کے مشکل کو مری اب کرے آساں کوئی

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

○

کیا اشکِ چشمِ دل کے مرے ترجماں نہیں
کیوں مجھ کو ہو یہ شکوہ غمِ دل عیاں نہیں

آنکھیں دکھا رہا ہے ہمیں کس لیے عبث؟
ہم تجھ سے ڈرنے والے تو اے آسماں نہیں

ایران و چین و لندن و پیرس تو چیز کیا
بڑھ کر مرے وطن سے بہارِ جناں نہیں

منشا تو تھا کروں تجھے سجدہ ادا مگر
مشکل یہ ہے کہ تیرا کہیں آستاں نہیں

پھولوں پہ ہے بہار کہ موسم خزاں کا ہے
واقف چمن کے حال سے خود باغباں نہیں

شعروں پر اپنے ناز نہیں ہے تجھے مگر
صوفی ترے سخن کا فسانہ کہاں نہیں

ترتیب

انتساب		۹
جُرعۂ اوّلیں	حُرمت الاکرام	۱۰
بادۂ عرفانی	صغیر احسنی	۱۲
صوفی بانکوٹی (تذکرہ)	مالک رام	۱۴
پیش لفظ	ڈاکٹر طلحہ رضوی برق	۱۸

نظمیں

حمد	۲۸
دعا	۳۰
نعت	۳۱
قطعات	۳۲
منقبت	۳۳
زائرِ مدینہ سے	۳۴

غزلیں

دمِ آخر مری باہیں پہ نہ آیا کوئی	۳۷

○

کیا واقعی جنازے پر آیا نہ جائے گا
روٹھے ہوئے کو تم سے منایا نہ جائے گا

اعزاز پائے گا نہ وہ میدانِ حشر میں
راہِ وطن میں سر جو کٹایا نہ جائے گا

مر جاؤں گا تڑپ کے تری بزمِ ناز میں
دردِ جگر جو میرا مٹایا نہ جائے گا

جیتا ہوں میں سہارے پہ اُمیدِ لطف کے
کیا میری حسرتوں کو مٹایا نہ جائے گا

اہلِ وفا سے پوچھیے رازِ وفا ہے کیا؟
سب سے وفا کا حال بتایا نہ جائے گا

سمجھائے کوئی لاکھ مگر یہ محال ہے
دل سے ترا خیال بھلایا نہ جائے گا

صوفی نے ہوش سامنے تیرے گنوائے ہیں
تا حشر ہوش میں اسے لایا نہ جائے گا

○

کیوں بہہ رہے ہیں اشکِ محبت نہ پوچھیے
ہے میرے دل پہ کس کی عنایت نہ پوچھیے

پرواز کے لیے ہے یہ عرشِ بریں بھی کم
میرے تخیلات کی رفعت نہ پوچھیے

سینے میں گو ہے میرے ہی لیکن مرا نہیں
میرا یہ دل ہے کس کی امانت نہ پوچھیے

پہلو میں دل تھا آپ بھی دل کے قریب تھے
کیسی گزر رہی تھی یہ صحبت نہ پوچھیے

دیوانگی نہیں ہے کسی کا کرم ہے یہ
اے اہلِ ہوش باعثِ وحشت نہ پوچھیے

جھپکی ہوئی سی آنکھ ہے کانپا ہوا سا دل
اپنی ضیائے حسن کی شدت نہ پوچھیے

توہینِ حسن کفر ہے عاشق کے دین میں
صوفی سے اپنے جو کی قیمت نہ پوچھیے

○

نہ لیں ہم کام اگر ضبطِ نہاں سے
زمیں جنبش میں آجائے فغاں سے
گلہ ہے مجھ کو پائے ناتواں سے
رہا جاتا ہوں پیچھے کارواں سے
تماشا بعد مرنے کے یہ دیکھا
وہیں آئے، گئے تھے ہم جہاں سے
ستم کو بھی کرم ہم جانتے ہیں
کوئی جاکر کہے نا مہرباں سے
زمانے بھر میں رُسوا ہوگئے ہم
یہی حاصل ہوا عشقِ بُتاں سے
نہیں جو واقفِ طرزِ محبت
اُسے راس آگئی اُلفت کہاں سے
نگاہِ یاس نے کہہ دی کہانی
ہوئے واقف وہ میری داستاں سے
جھکے گا سر وہیں بہرِ اطاعت
جبیں مانوس ہے جس آستاں سے
نظر صوفی پر اس نے یوں اُٹھائی
کہ نکلے جس طرح ناوک کماں سے

○

جب کھو چکے ہیں ان کی نظر سے وقار ہم
بے سود ہیں جو منّتیں کر لیں ہزار ہم

دستِ قضا ڈرائے نہ آ کر ہمیں کبھی
دیتے ہیں جان حُسن پہ پروانہ وار ہم

پھر مستیوں پہ کس لیے واعظ ہے معترض
دُنیا یہ جانتی ہے کہ ہیں بادہ خوار ہم

کوچے میں اُن کے ہیں کبھی صحرا و دشت میں
یہ حال ہے کہ پھرتے ہیں دیوانہ وار ہم

فرمائیے کہ آپ نے وعدے وفا کیے؟
کیسے کریں جناب کا پھر اعتبار ہم!

جب جان ہی عزیز ہماری ہے آپ کو
پھر کیوں نہ جان آپ پہ کر دیں نثار ہم

تم پر ہوا اختیار کا پھر حوصلہ کہاں
رکھتے نہیں ہیں دل پہ ابھی اختیار ہم

صُوفی اگر مذاقِ طبیعت یہی رہا
مُلکِ سخن کے ہوں گے کبھی شہر یار ہم

○

لے آئی ہے وحشت مجھے منزل سے بہت دُور
طوفاں میں پھنسا جاتا ہوں ساحل سے بہت دُور

پابندیِ زنداں کا اسے خوف نہیں ہے
عاشق کی تو منزل ہے سلاسل سے بہت دُور

ہے ہمتِ عالی کا مرے ہاتھ میں داماں
کیوں رنج و الم ہوں مرے دل سے بہت دُور

دُشوار نظر آتا ہے منزل پہ پہنچنا!
ہے کشتیِ اُمید ابھی ساحل سے بہت دُور

رخصت اسے کر آ کے ذرا جانِ تمنّا
جاتا ہے کوئی دہر کی محفل سے بہت دُور

کیوں ضبط پہ میرے ہے زمانے کو تعجب؟
ہے حرفِ گلہ شیوۂ بسمل سے بہت دُور

موجوں کی کشش پر ہے بھروسا مجھے صوفی
پروا نہیں طوفاں میں ہوں ساحل سے بہت دُور

○

عشق کا شاید یہی انجام ہے
دیکھیے جس کو وہی ناکام ہے

بھیڑیے کے رُوپ میں ہے آدمی
کیا نئی تہذیب اسی کا نام ہے

حُسن کے فتنوں سے ہے محشر بپا
عشق ناحق موردِ الزام ہے

ہے فریبِ چشم یہ دھوکا نہ کھا
ہاتھ میں ساقی کے خالی جام ہے

شاد آتے ہیں نظر عشّاق سب
کیا ترے کوچے کا جنّت نام ہے

آؤ اور آکر ذرا تسکین دو
زیست کا لب ریز میری جام ہے

بڑھ رہا ہے روز و شب ذوقِ سخن
حضرتِ صوفی پہ یہ اکرام ہے

○

ترے ہوتے ہوئے دُنیا میں مجھ کو کون سا غم ہے
خلش ہے، درد ہے، دل کے لیے دولت یہ کیا کم ہے

مرے رونے کے چرچے ہو رہے ہیں کیوں زمانے میں
گھرے ہیں غم کے بادل میرے دل پر آنکھ پُرنم ہے

مجھے تو چاہتے تھے لوگ دُنیا سے مٹا دینا
جنازے پر مرے اب کس لیے یہ شورِ ماتم ہے

یہ مانا راحتیں ساری میسّر ہیں وہاں لیکن
حضوری جب نہ ہو تیری تو جنّت بھی جہنّم ہے

جبینِ شوق کو کیا آستاں کی قید اے ہمدم!
نظر آیا جہاں جلوہ وہیں اُلفت کا سر خم ہے

یہ آنسو کر رہے ہیں ترجمانی غمزدہ دل کی
بھلا میں کیا بتاؤں آپ کو کیوں آنکھ پُرنم ہے

مجھے تسلیم میری شاعری کچھ بھی نہیں صوفی
جنابِ ابر کا شاگرد ہوں یہ فخر کیا کم ہے

○

ستم گلزار پر ڈھاتا رہے گا آسماں کب تک
رہے گا برق کی زد میں ہمارا آشیاں کب تک

فلک پر چھائیں گی غم کی الٰہی بدلیاں کب تک
اُٹھائے گا یونہی طوفان یہ دورِ زماں کب تک

دکھا دے دُور ہی سے کوئی منزل کا نشاں ہم کو
رہیں ہم تھک کے پیچھے اے امیرِ کارواں کب تک

بہت فریاد کرتا ہوں اثر لیکن نہیں ہوتا
یونہی بے کار جائے گی مری آہ و فغاں کب تک

شگفتہ پھول مُرجھاتے ہیں جس کے ایک جھونکے سے
چمن میں وہ چلے گی اے خدا بادِ خزاں کب تک

نہ لکھے کس لیے وہ اپنے دل کا حال شعروں میں
رہے خاموش آخر صوفیِ جادو بیاں کب تک

○

لب ریز ہوگا اک دن پیمانہ زندگی کا
اس راز کو نہ سمجھا دیوانہ زندگی کا

حالت کو میری دیکھیں احوال سننے والے
خود میری زندگی ہے افسانہ زندگی کا

اس میں مئے محبت ہر دم بھری رہی ہے
خالی کہاں رہا ہے پیمانہ زندگی کا

پُرسانِ حال ہی جب کوئی نہیں جہاں میں
جا کر کسے سُنائیں افسانہ زندگی کا

رنج و غم و الم میں یوں عُمر کٹ رہی ہے
مَیں جیسے دے رہا ہوں جُرمانہ زندگی کا

ہر دم خیال اُن کا ہو زندگی کا مقصد
لمحہ بھی کوئی جائے بے جانہ زندگی کا

تارِ نفس پہ غم کی مضراب چل رہی ہے
ڈر ہے نہ ٹوٹ جائے پیمانہ زندگی کا

تیرے ستم کے قرباں یہ بھی رہے نظر میں
مسمار ہو نہ جائے میخانہ زندگی کا

محسوس ہو رہا ہے تیری غزل سے صُوفی
لکھّا ہے خونِ دل سے افسانہ زندگی کا

قدم اپنا آگے بڑھاتا چلا جا ۳۸
بہرِ سجدہ جو ترے در پہ گزر ہو جائے ۳۹
ہو سکے تو میرے سر پہ اتنا احساں کیجیے ۴۰
نظر کے تیر جگر میں لگائے جاتے ہیں ۴۱
مسلکِ عشق ہے یہی دوست کی بے رُخی نہ دیکھ ۴۳
پیامِ دوست شاید آ رہا ہے ۴۴
مجھے اُن سے جو الفت ہو رہی ہے ۴۵
محبت کے سمندر کا اسے ساحل سمجھتے ہیں ۴۶
ہے چمن ویراں نشیمن میرا جل جانے کے بعد ۴۷
میری نگاہ میں فقط جذب ترا شباب تھا ۴۸
سرِ مقتل ستمگر لے کے تیغِ بے نیام آیا ۴۹
تمھاری چشمِ کرم کا ہے انتظار مجھے ۵۰
پریشانی نہ تھی کم یوں بھی پابندِ وفا ہو کر ۵۲
ادا اثر ہو کس طرح ان کی نگاہِ ناز میں ۵۴
دل دیا ان کو تو بُرا کیا ہے ۵۵
بن کر آیا ہے نگاہوں میں گلستاں کوئی ۵۶
کیا اشکِ چشم دل کے میرے ترجماں نہیں ۵۷
کیا واقعی جنازے پر آیا نہ جائے گا ۵۸
کیوں بہہ رہے ہیں اشکِ محبت نہ پوچھیے ۵۹
نہ لیں ہم کام اگر ضبطِ نہاں سے ۶۰
جب کھو چکے ہیں آنکھ سے ان کی وقار ہم ۶۱
لے آئی ہے وحشت مجھے منزل سے بہت دور ۶۲
عشق کا شاید یہی انجام ہے ۶۳
ترے ہوتے ہوئے دُنیا میں مجھ کو کون سا غم ہے ۶۴
ستم گلزار پر ڈھاتا رہے گا آسماں کب تک ۶۵

○

اہلِ دل کو خون کے آنسو رلا سکتا ہوں مَیں
یوں بھی اپنا قصۂ ہستی سُنا سکتا ہوں مَیں

رُوٹھ جائیں وہ اگر، اُن کو منانے کے لیے
اُن کے پائے ناز پہ سر بھی جھکا سکتا ہوں مَیں

ہو ہی جائے گا عیاں اُن پر جو میرا حال ہے
اضطرابِ دل بھلا کب تک چھپا سکتا ہوں میں

کیا بتاؤں عشق نے بخشی ہے کیا طاقت مجھے
عرش کو بھی اپنی آہوں سے ہلا سکتا ہوں مَیں

ہے سفینے کو مرے گھیرے ہوئے طوفاں، مگر
مجھ کو یہ اُمید ہے ساحل پہ جا سکتا ہوں مَیں

عشق ہی مجرم نہیں ہے، حُسن کا بھی ہے گناہ
روشنی میں اس حقیقت کو بھی لا سکتا ہوں مَیں

بختِ خفتہ کی شکایت کس لیے کرتا پھروں
کوششوں سے بختِ خفتہ کو جگا سکتا ہوں مَیں

بڑھ گئی ہے اس قدر ہمّت جنونِ عشق میں
ان کی خاطر اپنی ہستی بھی مٹا سکتا ہوں مَیں

مُسکراؤں کیوں نہ پھر تکلیف کے ماحول میں
جب کہ صُوفی رنج و غم میں مُسکرا سکتا ہوں مَیں

○

خراماں خراماں صبا آرہی ہے
پیام آپ کا غالبؔ لا رہی ہے
فلک پر جو کالی گھٹا چھا رہی ہے
کسی کی مجھے یاد تڑپا رہی ہے
مصیبت نئی غالبؔ آرہی ہے
یہ کیوں روح سینے میں گھبرا رہی ہے
تعصب کی چھائی ہیں ہر سُو گھٹائیں
محبت دلوں سے مٹی جا رہی ہے
یہ دیوانگی ہے کہ وہ آرہے ہیں
مجھے خود بخود کیوں ہنسی آرہی ہے
انھیں بھول جانے کی کرتا ہوں کوشش
مگر یاد اُن کی چلی آرہی ہے
مخالف ہَوا ہے جدھر دیکھتا ہوں
تھپیڑوں میں کشتی بہی جا رہی ہے

وہ اب بچ سکیں تو بچیں مجھ سے صوفی
اثر سے دعا میری ٹکرا رہی ہے

○

اگر چھیڑو محبت کا فسانہ
عجب کیا ہے کہ سن لے یہ زمانہ
ہمیں کہنے لگا پاگل زمانہ
کیا جب عشق نے دل کو نشانہ
وفورِ عشق سے سرشار ہو کر
ہوئے صحرا کی جانب ہم روانہ
تمنا دل میں ہے یہ مدتوں سے
ملے سجدے کو تیرا آستانہ
خدا جانے کہاں لے جائے وحشت
قدم اُٹھ تو رہے ہیں والہانہ
بہار آتے ہی صحنِ گلستاں میں
جلایا بجلیوں نے آشیانہ
تمنا موت کی اب اس لیے ہے
ترے ملنے کا ہو جائے بہانہ
لگے ٹھوکر نہ کوئی دیکھ تجھ کو
سنبھل کر چل کہ نازک ہے زمانہ

سرِ بزم آ رہے ہیں آج صوفی
سنانے کے لیے دل کا فسانہ

○

پھولوں کی طرح چاک گریباں ہوں آج کل
بربادیِ چمن سے پریشاں ہوں آج کل

بیگانہ وار تکتے ہیں دیوار و در مجھے!
خود اپنے ہی مکان میں مہماں ہوں آج کل

ہر سمت دیکھتا ہوں اُسی کی تجلّیاں
ہر وقت محوِ جلوۂ جاناں ہوں آج کل

سیلابِ نالہ ہے مرے سینے میں موج زن
کوئی مجھے نہ چھیڑے کہ طوفاں ہوں آج کل

نظروں میں ہے قفس تو خیالوں میں بجلیاں
اندازِ باغباں سے ہراساں ہوں آج کل

وہ وقت تھا کہ مَیں بھی گلستاں کا پھول تھا
یہ وقت ہے کہ خارِ گلستاں ہوں آج کل

ہر انجمن میں ذکر مری شاعری کا ہے
صوفی کچھ ادا سے غزل خواں ہوں آج کل

○

تقدیر سے جو آج تری دید ہو گئی
گویا ہزار عیدوں کی اک عید ہو گئی

لب ریز ہو چکا تھا مرا جامِ زندگی
تم آ گئے تو کچھ مجھے اُمید ہو گئی

سہتا رہوں ستم پہ ستم خامشی سے میں
ان کی طرف سے آج یہ تاکید ہو گئی

پہلو بدل بدل کے گزاری شبِ فراق
گویا جنونِ عشق کی تمہید ہو گئی

اب اُس مقام پر ہے مری چشمِ انتظار
اُٹھی جدھر نگاہ تری دید ہو گئی

صُوفی کے رنگ میں جو کوئی شعر کہہ لیا
وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ تقلید ہو گئی

○

تھی میری نظر محفل کی طرف
وہ دیکھ رہے تھے دل کی طرف

یوں گھیر لیا طوفانوں نے
کشتی نہ بڑھی ساحل کی طرف

مقتل میں نگاہیں اُٹھ نہ سکیں
دیکھا نہ گیا قاتل کی طرف

گھبرانے لگا دل سینے میں
جب پانو بڑھے محفل کی طرف

تارے جھینپے، نظریں اُٹھیں
جب میرے مہِ کامل کی طرف

اے تیرِ نظر ہو تیرا بھلا
اک وار ذرا بسمل کی طرف

بے خوف دیا سر حق کے لیے
اُٹھا نہ قدم باطل کی طرف

ہم، راہ میں بیٹھے ہیں صوفی
احباب گئے منزل کی طرف

○

مری محفلِ عشق اُجڑی پڑی ہے
نہیں تم تو بے کیف سی زندگی ہے

یہ مسرور کُن عشق کی زندگی ہے
ہر اک زخمِ دل کے لبوں پر ہنسی ہے

سرِ بزم یہ رنگِ جلوہ گری ہے
ابھی طُور پر جیسے بجلی گری ہے

ضروری ہے اب آپ پردے سے نکلیں
کہ رُسوائے عالم مری عاشقی ہے

خدا تیرا بخشا ہوا داغ رکھے
کہ تاریک دل کی یہی روشنی ہے

مظالم کے جھونکے، جفاؤں کی صرصر
مگر گلشنِ عشق میں تازگی ہے

بجا ہے بشر نے بہت کی ترقی
مگر داغِ انسانیت آدمی ہے

جہانِ وفا تیرے وعدوں سے روشن
مگر دوست یہ دُور کی روشنی ہے

کرم کر کہ تکمیلِ جور و ستم کر
جو تیری خوشی ہے وہ میری خوشی ہے

تجھے دیکھ کر دیکھتا کیا کسی کو
خودی سے مزیّن مری بے خودی ہے

تری یاد مونس، ترا درد ہمدم!
مری زندگی واقعی زندگی ہے

زباں میری کہنے سے قاصر ہے صوفی
جو کچھ حالِ دل ہے وہ ناگفتنی ہے

○

سختیوں میں جوہرِ ہمت دکھانا چاہیئے
زخم کھانا چاہیئے اور مسکرانا چاہیئے

رہ گئے تھے جھک کے سر جن سرکشوں کے سامنے
اپنے قدموں پر اب اُن کا سر جھکانا چاہیئے

چارہ سازوں کو دکھا کر کیوں ہنسی اُڑوائیے
زخمِ دل خود اپنی ہمت کو دکھانا چاہیئے

یہ خبر ہے ان کا نظارہ کوئی آساں نہیں
شوق کی جُرأت کو لیکن آزمانا چاہیئے

سوچیئے تو رنج و غم بھی ہیں عطیہ دوست کا
رنج و غم جتنے ہوں اُتنا مسکرانا چاہیئے

دیکھ صوفی بیخودی کی یہ بڑی توہین ہے
ہوکے بیخود ہوش میں ہرگز نہ آنا چاہیئے

لبریز ہو گا اک دن پیمانہ زندگی کا	۶۶
اہلِ دل کو خون کے آنسو رُلا سکتا ہوں مَیں	۶۸
خراماں خراماں صبا آ رہی ہے	۷۰
اگر چھیڑو محبت کا فسانہ	۷۱
پھولوں کی طرح چاک گریباں ہوں آج کل	۷۲
تقدیر سے جو آج تری دید ہو گئی	۷۳
تھی میری نظر محفل کی طرف	۷۴
مری محفلِ عشق اُجڑی پڑی ہے	۷۵
سختیوں میں جوہرِ ہمت دکھانا چاہیے	۷۷
نقابِ رُوئے تاباں کی خودی سے کھیل لینے دو	۷۸
خیالِ دوست میں رہتے ہیں خاموش	۷۹
کوئی بزم میں بے نقاب آ رہا ہے	۸۰
تری آنکھوں میں پایا تھا محبت کا اثر مَیں نے	۸۱
مٹانے پر تُلے ہیں کیوں مجھے نام و نشاں والے	۸۳
اُس نے جب انکار کیا ہے	۸۵
میسّر تیری قربت ہے نہ حاصل جام ہے ساقی	۸۶
اے خیالِ یار تیرا شکریہ	۸۷
کانٹے اُگے ہوئے ہیں گُل و یاسمن کہاں	۸۸
یارب ہو ترا لطف و کرم اور زیادہ	۸۹
ہے موت کا پیغام یہ پیغامِ جُدائی	۹۰
بہت بھول جانے کی کرتا ہوں کوشش مگر یاد اُن کی چلی آ رہی ہے	۹۱
اے دوست لکھے ہیں مَیں نے بھی اُلفت کے تری افسانے چند	۹۳
ٹوٹے ہیں خمِ زلف نے ایمان ہزاروں	۹۴
اُن کو آتی ہے ہنسی مجھ کو پریشاں دیکھ کر	۹۵
اے عاشقِ ناشاد تجھے ہوش نہیں ہے	۹۶

○

نقابِ روئے تاباں کی خودی سے کھیل لینے دو
مری پیاسی نظر کو تشنگی سے کھیل لینے دو

زباں پر حرفِ شکوہ کس لیے ہو بے قراری میں
یہی مرضی ہے ان کی تو اسی سے کھیل لینے دو

ستارے کر رہے ہیں رقص بہلانے کو دل میرا
شبِ ظلمت میں ان کی روشنی سے کھیل لینے دو

ہٹوں گا میں نہ ہرگز زندگی بھر کوئے قاتل سے
مجھے سمجھانے والو زندگی سے کھیل لینے دو

کوئی حق گو جہاں میں لب ہلائے یہ کہاں ممکن
یہی بہتر ہے مجھ کو خامشی سے کھیل لینے دو

کھلائی ہیں خرد نے ہر قدم پر ٹھوکریں اب تک
مجھے اب عاقلو، دیوانگی سے کھیل لینے دو

گلوں کی تازگی سے کھیلنا ہے ایک دن صوفی
گلستاں کی ابھی پژمردگی سے کھیل لینے دو

○

خیالِ دوست میں رہتے ہیں خاموش
کہیں ہم حالِ دل اس کا کہاں ہوش

سرِ بام آئے جب وہ زلف بردوش
گھٹاؤں کو فلک پر آگیا جوش

محبت میں سرِ اُن کی نذر کر کے
ہُوا میں فرض سے اپنے سبکدوش

خیالوں میں مسلسل آرہے ہیں
انھیں کیسے کہوں وعدہ فراموش

بڑھائے چل قدم راہِ وفا میں
کہیں ٹھنڈا نہ پڑ جائے ترا جوش

یہ کیسا دَور صُوفی آگیا ہے
زمانے کا زمانہ ہے الم کوش

○

کوئی بزم میں بے نقاب آ رہا ہے
سرِ حشر یا، آفتاب آ رہا ہے

ادائیں نئی ہیں، نئی شوخیاں ہیں
خراماں خراماں شباب آ رہا ہے

ضیا باریاں حُسن کی اللہ اللہ
نگاہِ طلب کو حجاب آ رہا ہے

کرم کی اُمیدیں تھیں جس در سے مجھ کو
اُسی در سے حکمِ عذاب آ رہا ہے

اُٹھی ہے تری آنکھ محفل میں ساقی
کہ گردش میں جامِ شراب آ رہا ہے

کسی کی نگاہوں کا ہے فیضِ صوفی
کہ میرے جنوں پر شباب آ رہا ہے

○

تری آنکھوں میں پایا تھا محبت کا اثر میں نے
مآل اس واسطے سوچا نہیں اے فتنہ گر میں نے

لگا دی ضبط کی کوشش نے جب اک آگ سینے میں
کیا مجبور ہو کر شکوۂ سوزِ جگر میں نے

یہی اندیشہ تھا مجھ کو نہ سُن کر وہ تڑپ اُٹھیں
سُنائی داستانِ درد اُن کو مختصر میں نے

لڑیں نظریں نہ میری اُس ستم گر کی نگاہوں سے
دُعا اللہ سے مانگی یہی شام و سحر میں نے

مری آنکھوں میں بس کر مجھ سے رُوپوشی کے کیا معنی
تجھے پردہ نشیں دیکھا ہے ہر سو جلوہ گر میں نے

حسیں کوئی حسیں معلوم ہی ہوتا نہیں مجھ کو
تمہارے عشق میں پایا ہے یہ ذوقِ نظر میں نے

خفا ہونے کی اس میں بات کیا جو دل پہ گزری تھی
وہی روداد کہہ دی ہے بہ الفاظِ دگر میں نے

یقیں میری وفا کا ورنہ آنا غیر ممکن تھا
دکھائے کر کے سینہ چاک انھیں داغِ جگر میں نے

نہ کیوں چھا جائے صوفی خیرگی سی چشمِ محفل پر
پروئے ہیں غزل میں قیمتی لعل و گہر میں نے

○

مٹانے پر تُلے ہیں کیوں مجھے نام و نشاں والے
چمن کی روح ہوں مَیں جان ہیں یہ گلستاں والے

مدوائے عشق! تیری رہبری کا اب سہارا ہے
مجھے بے کس سمجھ کر جا رہے ہیں کارواں والے

نہیں ممکن، مداوائے غمِ الفت نہیں ممکن!
ہمیں چھوڑیں ہمارے حال پر اب یہ جہاں والے

قدم ہم جانبِ صحرا بڑھاتے ہیں خُدا حافظ
چمن میں رہنے دیتے ہی نہیں ہیں گلستاں والے

بلا تفریق مذہب یہ زباں ہندوستانی ہے
کروڑوں لوگ ہیں اس دیس میں اُردو زباں والے

حرم اور دَیر میں جلوے اُسی کے جب نمایاں ہیں
نہ جانے کس لیے لڑتے ہیں ناقوس واذاں والے

زباں سے اُف بھی کرنا جرم ہے قانونِ اُلفت میں
مری یہ بات سُن لیں غور سے آہ و فغاں والے

انھیں دُنیا و مافیہا سے جب مطلب نہیں کوئی
ستاتے ہیں ترے سَودائیوں کو کیوں جہاں والے

دُھلی ہے ابرِ رحمت سے زباں تیری جب اے صُوفی
تجھے دادِ سخن دیں گے نہ کیوں جادو بیاں والے

○

اُس نے جب انکار کیا ہے
ہم نے اور بھی پیار کیا ہے

تیری جفا نے، تیرے ستم نے
جینا مجھ پر بار کیا ہے

آ کے وہی اب اچھا کر دے
جس نے مجھے بیمار کیا ہے

مَیں اب ہوش میں کیا آؤں گا
الفت نے سرشار کیا ہے

بحرِ غم سے، میرے خدا نے
میرا بیڑا پار کیا ہے

خضرِ طریقت! تیری دعا نے
صُوفی کو فن کار کیا ہے

○

میسّر تیری قربت ہے نہ حاصل جام ہے ساقی
ہماری زندگی آلام ہی آلام ہے ساقی!
بہانا خون کے آنسو کہ آہیں ہجر میں بھرنا
ترے بادہ پرستوں کو یہی اک کام ہے ساقی
کوئی کہتا ہے سودائی، کوئی کہتا ہے دیوانہ
ترا کش جہاں میں ہر طرف بدنام ہے ساقی
نہیں مذہب میں جائز میکشی تسلیم ہے مجھ کو
مگر پینا ترے ہاتھوں سے عین اسلام ہے ساقی
بہ قدرِ ظرف ہر مے کش شرابِ ناب پیتا ہے
زمانے بھر میں جاری تیرا فیضِ عام ہے ساقی
نہیں پروا ترے مستوں کو طوفانِ حوادث کی
سرِ محفل اگر گردش میں تیرا جام ہے ساقی
ہنسا کرتا تھا میں پہلے مگر اب خون روتا ہوں
وہ تھا آغازِ الفت اور یہ انجام ہے ساقی
بچالے ورنہ ہوگی تیری رسوائی زمانے میں
ترا صوفی سپردِ گردشِ ایام ہے ساقی[1]

[1] مصرعِ طرح: ترا میکش سپردِ گردشِ ایام ہے ساقی - ایک لفظ کے تصرف کے ساتھ۔

○

اے خیالِ یار تیرا شکریہ
لذّتِ آزار تیرا شکریہ
دھو دیا الفت نے دل کا سب غبار
ساغرِ سرشار تیرا شکریہ
دی اجازت باریابی کی مجھے
حُسن کی سرکار تیرا شکریہ
کر دیا ہے موت نے مجھ کو قریب
اے دلِ بیمار تیرا شکریہ
لاکھ خنجر دل میں ہیں ٹوٹے ہوئے
ابروئے خم دار تیرا شکریہ
بے نیازِ عیشِ عالم کر دیا
التفاتِ یار تیرا شکریہ
کشتیِ اُمّید چاہے غرق کر
یا لگا دے پار تیرا شکریہ
تو نے مٹ کر لاج رکھ لی عشق کی
صوفیِ سرشار تیرا شکریہ

تم ہو حاصل ہر خوشی ہے آج کل ۹۷
وہ ضبطِ اُلفت جو آ کے دیکھیں اُنھیں ادا اور ہی ملے گی ۹۸
دیکھ لینا دوست کو رسمِ جہاں سمجھا تھا میں ۹۹
محبّت کا آ کر یہ سامان دیکھو ۱۰۰
پردے سے نکل اے پردہ نشیں چھپ چھپ کے ستانا کیا معنی ۱۰۱
آدابِ محبّت کے زمانے کو سکھا دو ۱۰۲
قوتِ نالہ جو زنداں میں نمایاں کر دوں ۱۰۴
ہجومِ آلام و غم تھا دل میں جگر میں داغوں کا تھا خزانہ ۱۰۵
بات یہ کیا ہے سمجھ میں بات کچھ آئی نہیں ۱۰۶
یہ ضرورت ہے بہارِ بے خزاں پیدا کریں ۱۰۸
جو پھول کل تھے گلستاں میں مسکراتے ہوئے ۱۰۹
زندگی میری وفا کا راز ہے ۱۱۰
مری بگڑی ہوئی قسمت بنا دیتے تو کیا ہوتا ۱۱۱
نہ پوچھے کوئی ہم سے یہ جبیں ہم نے کہاں رکھ دی ۱۱۲
وفا کا امتحاں ہے اور میں ہوں ۱۱۳
اے دوست کمالِ وحشت میں تسکین کے ساماں ہوتے ہیں ۱۱۴
اندھیرے میں ستاروں کی درخشانی نہیں جاتی ۱۱۵
بتوں کا قہر نہ بے مہریِ خدا کہیئے ۱۱۶
مَیں جب وفا کے ساز پہ نغمہ سرا ہوا ۱۱۷

اشعار ——————————— ۱۲۰
شکر و سپاس ——— بدیع الزّماں خاور ——— ۱۲۸

○

کانٹے اُگے ہوئے ہیں گُل و یاسمن کہاں
اُجڑے ہوئے چمن میں بہارِ چمن کہاں

گھبرا کے شہر والوں سے چھوڑا ہے شہر کو
لے جائے دیکھیے مجھے دیوانہ پن کہاں

اظہارِ دوستی تو فقط رسم ہو گئی
دریائے عشق روح میں اب موجزن کہاں

عاشق اگر ہو کوئی تو پائے سزائے عشق
منصور ہی نہیں ہے تو دار و رسن کہاں

رہتے تھے چشمِ دوست کا مرکز بنے ہوئے
جلسے وہ اب کہاں ہیں وہ اب انجمن کہاں

یوں تو بہت ہیں آج بھی صوفی کے ہم نشیں
پہلا سا دوستوں میں مگر حسنِ ظن کہاں

○

یارب ہو ترا لطف و کرم اور زیادہ
ہو دل میں مرے عشقِ حرم اور زیادہ
سینے میں مرے اور بڑھیں داغِ محبت
ہو وسعتِ گلزارِ ارم اور زیادہ
غم اپنا دیا دل کو تو اشک آنکھ کو بخشے
کیا اس سے بھلا مانگئے ہم اور زیادہ
کہتا ہی رہا ہوں کہ ذرا مجھ پہ کرم کر
ہوتی ہی رہی مشقِ ستم اور زیادہ
صدقے میں کھلے غم کے جب اسرارِ محبت
پھر کیوں نہ ہوں میں طالبِ غم اور زیادہ
آنسو نہ بہا دیکھ خدارا دلِ بدنام
کھل جائے نہ الفت کا بھرم اور زیادہ
بُت خانے کی توہین گوارا نہیں مجھ کو
چھیڑیں نہ اب اربابِ حرم اور زیادہ

لکھا ہے غزل پڑھ کے مجھے دوستنے صوفی
اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ[1]

[1] مصرعۂ طرح۔

○

ہے موت کا پیغام یہ پیغامِ جدائی
اک برقِ بلا روح کو ہے نامِ جدائی

کیا ہو گا ذرا سوچیے انجامِ جدائی
صادر جو کیے آپ نے احکامِ جدائی

بہنے لگا آنکھوں سے مری اشکوں کا سیلاب
یارا نہ رہا ضبط کا، ہنگامِ جدائی

اک پل کی جدائی بھی قیامت سے نہیں کم
کس طرح گزاروں گا میں ایامِ جدائی

وہ ساعتِ منحوس خدایا نہ دکھانا
ہوں سہنے پہ مجبور ہم آلامِ جدائی

انجام ہو کیا دیکھیے یارانِ چمن کا
صیاد نے پھیلایا تو ہے دامِ جدائی

دن رات یہ کرتے ہیں دعا حضرتِ صوفی
اللہ دکھائے نہ کبھی شامِ جدائی

○

بہت بھول جانے کی کرتا ہوں کوشش مگر یاد اُن کی چلی آ رہی ہے
گزرتی ہیں تاروں کو گن گن کے راتیں، محبت قیامت بنی جا رہی ہے

مقابل ہیں شوقِ مکمّل کے جلوے مَیں روتا ہوں اُن کو ہنسی آ رہی ہے
یہ ڈر ہے تصادم نہ ہو بجلیوں میں، نظر سے نظر آج ٹکرا رہی ہے

بھنور ہی بھنور ہے نگاہوں کی حد تک نہیں کوئی ساحل جدھر دیکھتا ہوں
مخالف ہوائیں جوانی پہ طوفاں، تھپیڑوں میں کشتی بہی جا رہی ہے

انھیں بھول کر مَیں بہت مطمئن تھا مگر پھر اُٹھی ہوک، پھر درد جاگا
سمجھتا ہوں دل کے دھڑکنے کا مطلب محبت کوئی رنگ پھر لا رہی ہے

عجب چیز ہے فطرتِ اہلِ الفت کہ غصّے پہ بھی پیار آتا ہے باہم!
اُدھر اُن کے ماتھے پہ بَل آ رہے ہیں اِدھر دل کی دُنیا لُٹی جا رہی ہے

کہاں تک یہ دیر و حَرم کا تصادم، کہاں تک یہ حق اور ناحق کی باتیں
ضرورت ہے اب آپ پردے سے نکلیں کہ جھگڑوں میں دُنیا مٹی جا رہی ہے

نہ دے شرک کا دیکھ الزام مجھ کو، مِرے شوق کو دیکھ کر قدر اس کی
کوئی در ہو یا کوئی نقشِ قدم ہو، جبیں تیری خاطر جھکی جا رہی ہے

محبّت کے ربطِ مکمّل نے ان کو مِرے حالِ دل کی خبر کر نہ دی ہو
کہیں وہ نہ آتے ہوں پُرسش کو میری، طبیعت بہت آج گھبرا رہی ہے

بدل کر نظر سوزشِ دل بڑھائی، تبسم جو آیا تو بجلی گرائی!
بچے آج محفل میں شاید ہی کوئی کہ ساحر نظر آگ برسا رہی ہے

محبت تمھاری بنی اب فسانہ، مبارک مسرت کا صوفی زمانہ
یہ پیغام آیا ہے وہ آ رہے ہیں، اثر سے دُعا آج ٹکرا رہی ہے

○

اے دوست لکھے ہیں مَیں نے بھی اُلفت کے تری افسانے چند
اپنے تو آخر اپنے ہیں، پڑھتے ہیں انھیں بیگانے چند

اے ساقیِ مے خانہ تجھ سے یہ عرض ہے میری بُخل نہ کر
اب خم کو لگا دے مُنہ سے ذرا، درکار نہیں پیمانے چند

اے عشق یہ تیری عیاری ہے، ظلم کہیں تو لطف کہیں
برباد ہوئے کاشانے چند، آباد ہوئے ویرانے چند

وہ شمع کی گود میں سوتے ہیں، سوتے ہی رہیں گے محشر تک
آئے تھے نظر جو محفل میں کل رات مجھے پروانے چند

اُن کو بھی سجدہ کر ہی لیا، سودائے عبادت سر میں تھا
آباد تھے راہ میں کعبے کی اک مدت سے بتخانے چند

اک درد بھرا دل ہے، دل میں ارمان بھی ہیں اور داغ بھی ہیں
کرنے ہیں پیش مجھے جا کر یہ اُن کے لیے نذرانے چند

ان بادہ ریز نگاہوں کی تعریف بیاں ہو کیا مجھ سے
پڑ جائیں جہاں بھی یہ صُوفی کھُل جائیں وہیں میخانے چند

○

لُوٹے ہیں خمِ زلف نے ایمان ہزاروں
اک تیر میں گھائل ہیں مسلمان ہزاروں

رُتبہ مری وحشت کا کوئی پا نہیں سکتا
پھرتے ہیں کیے چاک گریبان ہزاروں

گر جاتا ہے بَن بَن کے مرا قصرِ تمنّا
ہوتے ہیں شکستہ ترے پیمان ہزاروں

قطرے میں سمندر ہے تو ذرّے میں بیاباں
اک دل ہے مگر دل میں ہیں ارمان ہزاروں

ہے اور ہی کچھ چیز تری آنکھ کی مستی
دُنیا میں ہیں گو کیف کے سامان ہزاروں

سنتا نہیں دُنیا میں کوئی عشق کی اک بات
تابع ہیں مگر حُسن کے انسان ہزاروں

طوفانِ عداوت سے ڈریں کس لیے صوفی
پوشیدہ ہیں خود زیست میں طوفان ہزاروں

○

اُن کو آتی ہے ہنسی مجھ کو پریشاں دیکھ کر
اپنا دامن دیکھتے ہیں، میرا داماں دیکھ کر

حسرتیں بھی رنج و غم کے ساتھ ہیں ارمان بھی
دل کہیں گھبرا نہ جائے اتنے مہماں دیکھ کر

خون روتا ہے مرا دل، وہ مگر واقف نہیں
تیر سا چبھتا ہے دل میں اُن کو خنداں دیکھ کر

ایک مجبوروں کا جمگھٹ، غمزدوں کا اک ہجوم
رو رہا ہے آسماں بھی، حالِ انساں دیکھ کر

اتفاقاً آ گیا جب ٹھوکروں میں اک مزار
رو دیے وہ منظرِ گورِ غریباں دیکھ کر

ناز تھا صوفی کو اپنی پارسائی پر مگر
کھو دیا ایمان اُس نے حسنِ جاناں دیکھ کر

○

اے عاشقِ ناشاد تجھے ہوش نہیں ہے
وہ جلوۂ رنگیں تری نظروں میں مکیں ہے

ہر پردۂ دُنیا سے عیاں جلوے ہیں اُس کے
دُنیا یہ سمجھتی ہے کہ وہ پردہ نشیں ہے

کیوں ابرِ کرم جوش میں آتا نہیں یارب
کیا میری دعاؤں میں اثر کچھ بھی نہیں ہے

مخصوص جبیں کے لیے مخصوص ہے اک در
ہر در پہ جھکے جائے یہ توہینِ جبیں ہے

جو رُوحِ گلستاں ہیں جو ہیں جانِ گلستاں
گلشن خود اُنھیں کے لیے کانٹوں کی زمیں ہے

اللہ رے زمانے کی ترقّی کا یہ عالم
ہے جبر کہیں، جور کہیں، ظلم کہیں ہے

تقدیر کا شکوہ ہے عبث حضرتِ صوفی
کون ایسا ہے دُنیا میں جو مجبور نہیں ہے

○

تم ہو، حاصل ہر خوشی ہے آج کل
ہر کلی پر تازگی ہے آج کل
نقشِ پائے دوست ہیں پیشِ نظر
ہر قدم پر بندگی ہے آج کل
حُسن پر ہے پھر شباب آیا ہوا
ساز میں پھر نغمگی ہے آج کل
اُن نگاہوں کے اثر سے میرا دل
غرقِ موجِ بے خودی ہے آج کل
آنکھ میں آنسو نہ ہونٹوں پر فغاں
خامشی ہی خامشی ہے آج کل
تیری قربت میں جو حاصل تھی مجھے
دُور مجھ سے وہ خوشی ہے آج کل
کوئی انساں خوش نظر آتا نہیں
غم زدہ ہر آدمی ہے آج کل
کھیل ہے لفظوں کا میری رائے میں
نام جس کا شاعری ہے آج کل

مے کدے کے میر ہیں صُوفی مگر
ترک ان کی مے کشی ہے آج کل